ٹیکسلا ٹائم

(افسانے)

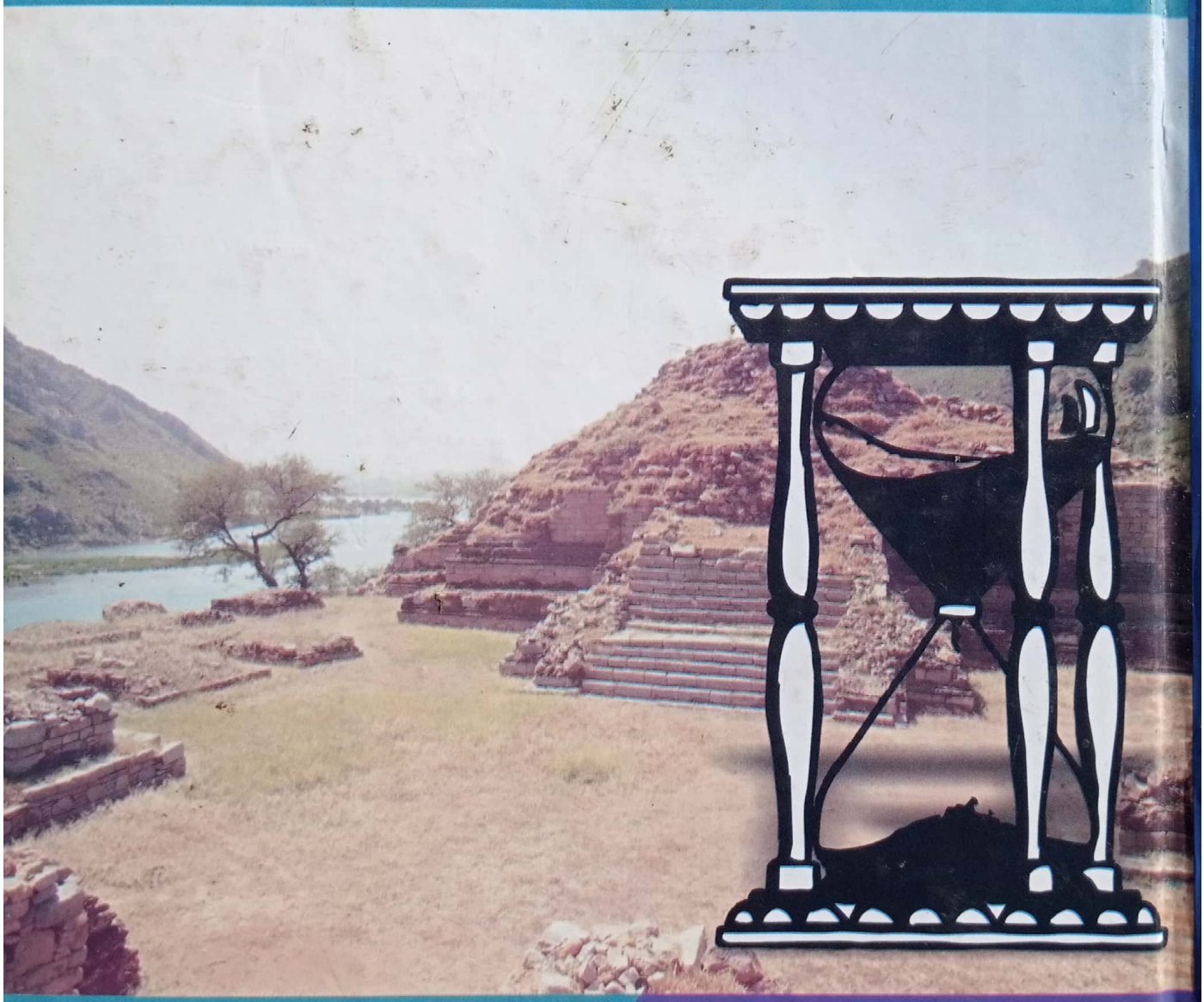

انجینئر مالک اشتر

مکتبہ تجزیات
Maktaba-e-Tajziat

Scanned with CamScanner

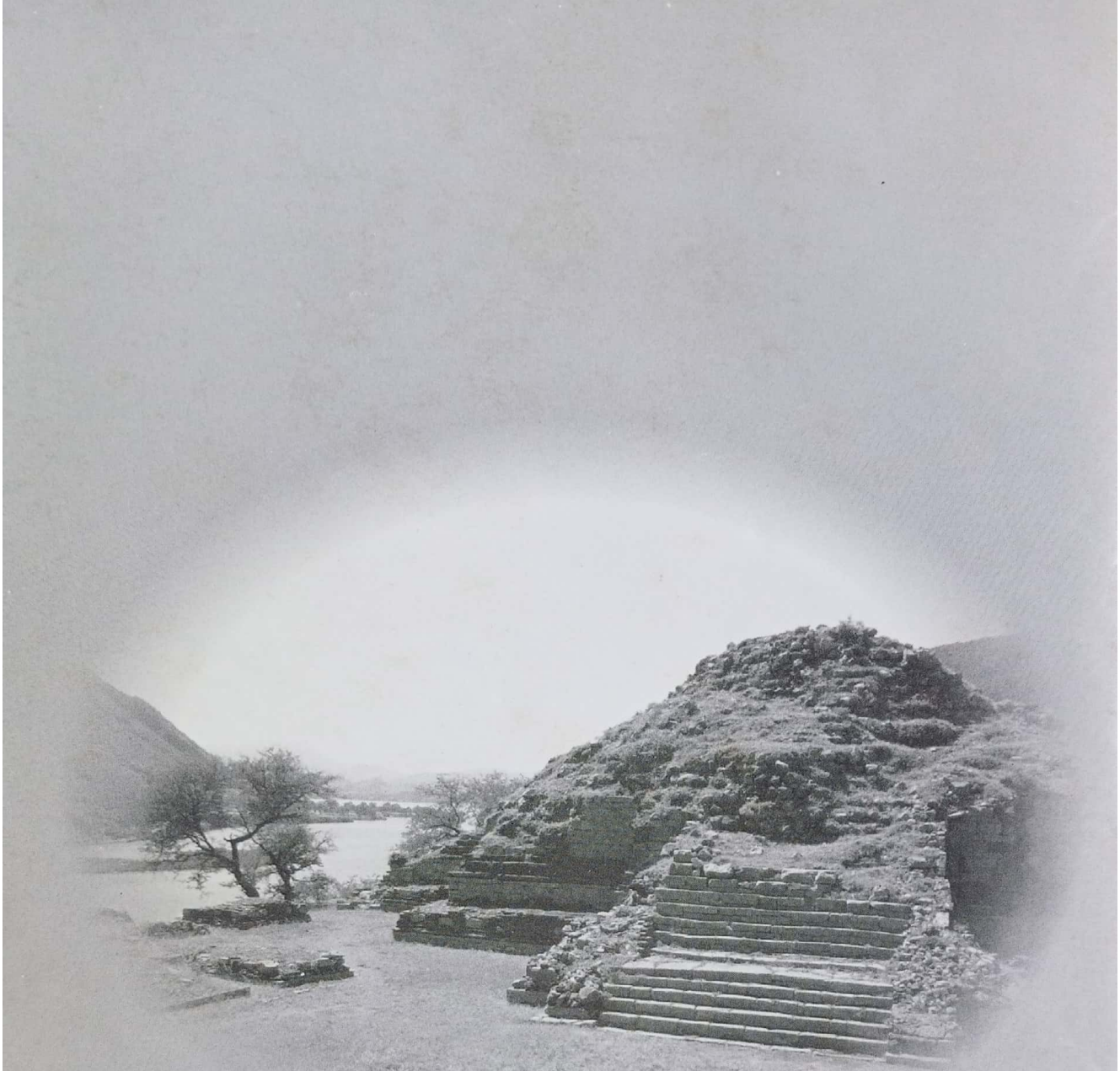

ٹیکسلا ٹائم

Scanned with CamScanner

ٹیکسلا ٹائم

انجینئر مالک اشتر

مکتبہ تجزیات

پوسٹ بکس 2110 ، اسلام آباد

Scanned with CamScanner

انتساب

''گندھارا''

کے ان

گیانیوں

گُورؤں

گرنتھیوں

اور گمنام گُنیوں

کے نام!

جنہوں نے تکشا سلا (ٹیکسلا) کی پوتر دھرتی پر علوم وفنون کو فروغ دیا۔

Scanned with CamScanner

فہرست

الف	پیش لفظ	13
ب	دیباچہ	23
۱۔	کیا تم ٹیکسلا سے آئے ہو؟	27
۲۔	بھمالا-طلوعِ مہتاب کی سرزمین	39
۳۔	دھرم راجا کے اسٹوپ کا جن	55
۴۔	پیلے پھول، پرندے اور پپلاں کی خانقاہ	67
۵۔	سکندرِ اعظم، سانپوں کے شہر میں	83
۶۔	دوسروں والے عقاب کا شہر	99
۷۔	جِتّوں والی ڈھیری کا اسرار۔۔	111
۸۔	جنڈیال مندر کے خونخوار گِدھ	127
۹۔	ٹیکسلا کا گُم شدہ شہر۔۔۔	137
۱۰۔	کیا ٹیکسلا پھر تباہ ہوگا؟	149
۱۱۔	مسٹر جو اور ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ	159

Scanned with CamScanner

O

تہذیب وتمدن کے حوالے سے پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک منفرد اور تاریخی حیثیت کا حامل ملک ہے اس کی زرخیز کوکھ سے جنم لینے والی گندھارا تہذیب اور وادیٔ سندھ کی تہذیب کا شمار قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ لاریب اس ترقی یافتہ تمدن نے صدیوں تک ایک عالم کو اپنی جانب متوجہ کیے رکھا۔ تاریخ کے طالب علموں کے لیے آج بھی ان خطوں میں قیمتی اور نادر معلومات کے انمول خزانے پوشیدہ ہیں۔ سرسبز وشاداب وادیوں اور مہکتے پہاڑوں کی سرزمین گندھارا سے تعلق رکھنے والے معروف قلم کار انجینئر مالک اشتر نے ٹیکسلا کی تاریخ کو جس بھرپور لگن اور محنتِ شاقہ سے کہانیوں کے قالب میں ڈھالا ہے وہ یقیناً قابلِ ستائش ہے اور حقیقت میں انھوں نے اس دھرتی کے سپوت ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔

مالک اشتر کا سادہ، رواں اور دل کش اسلوب قاری کو اس طرح اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے کہ ایک ہی نشست میں کہانی ختم کیے بغیر اٹھنے کو جی نہیں چاہتا یقیناً اپنے منفرد موضوع کے لحاظ سے لکھی گئی یہ دلچسپ کہانیاں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میری رائے میں تاریخ سے بھرپور استفادہ کرنے کے لیے ان کہانیوں کا دیگر زبانوں میں ترجمہ سودمند ہوگا۔

ڈاکٹر محمد اشرف خان
ڈائریکٹر ایکسپلوریشن برانچ،
ڈیپارٹمنٹ آف آرکیالوجی اینڈ میوزیم،
کراچی

Scanned with CamScanner

O

مالک اشتر ایک کہانی کار کے طور پر سامنے آئے ہیں ان کا فنی سفر زیادہ طویل نہیں ہے کیونکہ انھوں نے دیر سے لکھنا شروع کیا تاہم ابھی تک انھوں نے جو کچھ بھی لکھا وہ داد و تحسین کا مستحق ہے۔ مشتِ نمونہ از خروارے کے مصداق میں نے ان کی چند کہانیوں کا مطالعہ کیا اور مجھے یہ جان کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ مالک اشتر کی ابتدائی کہانیاں بھی اثر انگیزی کے وصف سے مالا مال ہیں۔ تاریخ نگاری ان کا خاص موضوع ہے اور اس حوالے سے یہ معمولی معمولی جزیات کو بھی سلیقے سے سموتے ہیں کہ وہ کہانی کا اہم حصہ بن جاتی ہیں۔

انھوں نے جس خوبصورت اور اچھوتے انداز سے ٹیکسلا کی تاریخ کو عام قاری تک پہنچانے کی سعی کی ہے یقیناً یہ ان کا وصفِ کمال ہے۔

امید کی جانی چاہیے کہ ادب میں یہ ایک منفرد اضافہ ثابت ہوگا۔

ظفر علی راجا

Scanned with CamScanner

پیش لفظ

ٹیکسلا کی سرزمین کئی صدیوں تک اپنی تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی پسِ منظر کی وجہ سے دنیا بھر کی توجہ کا مرکز رہی یہاں مختلف ادوار میں مردم خیز تہذیبیں پھلی پھولیں اور انہوں نے آنے والی نسلوں کی راہنمائی کیلئے کئی قابلِ ستائش سنگِ میل نصب کئے۔

جغرافیائی طور پر ٹیکسلا ایک چوراہے پر واقع تھا۔ایک راستہ شاہراہِ ریشم کو ملاتا تھا جبکہ وسطِ ایشیاء مشرقِ بعید اور ہندوستان کو یورپ سے ملانے والی شاہراہیں بھی یہاں سے ہو کر گزرتی تھیں۔ یورپ، افریقہ اور ایشیاء کی تجارتی منڈیوں تک رسائی شاہراہِ ریشم کی بدولت ہی ممکن تھی۔کستوری، مسالہ جات، میوہ جات، اناج، خوشبویات، بام، گوند، ہیرے جواہرات، بیش قیمت پارچہ جات جن میں ساٹن لینن اور ریشم وغیرہ شامل ہوتے، کے علاوہ کئی دیگر مصنوعات کا کاروبار ہوتا تھا جبکہ اطلس تو دنیا بھر میں پسند کیا جاتا تھا۔تاجروں

Scanned with CamScanner

کے علاوہ طلباء بھکشو، زائرین، سیاح، خانہ بدوش اور حملہ آور بھی صدیوں سے یہی راستے استعمال کرتے آئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ فارس، عرب، بابل، مصر، چین، یونان، روم اور بازنطینی تہذیبوں کی نشوونما میں شاہراہِ ریشم کا کلیدی کردار رہا ہے اس شاہراہ کی بدولت ہی مشرقی اور مغربی تہذیبیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ شاید یہی وہ تمام عوامل تھے کہ جن کی وجہ سے ٹیکسلا بھی ایک علمی، سیاسی، ثقافتی اور تجارتی سرگرمیوں کا محور بن کر اُبھرا۔

یوں تو ٹیکسلا کا تاریخی سفر نامہ آرین دور یا شاید اس سے بھی ماقبل شروع ہوتا ہے کیونکہ یہاں کچھ ایسی آبادیوں کے آثار دریافت ہوئے ہیں جن کا تانا بانا 3100 ق م تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم ہندو ادب میں ٹیکسلا کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا رگ وید اور اتھر وید جن کا زمانہ 1200 ق م سے 500 ق م تک تسلیم کیا گیا ہے میں اس خطے کا باقاعدہ ذکر موجود ہے اپنشد میں ٹیکسلا کو علم کا مرکز گردانا گیا ہے۔ رامائن، مہابھارت اور پرانوں میں اس شہر کو خاص اہمیت دی گئی۔ جین اور بدھ ادب میں بھی ٹیکسلا کا ذکر کثرت سے ملتا ہے خصوصاً یہاں کی علمی درس گاہوں اور مقامی عالموں کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آغاز میں یہاں جوگیوں کے قبیلے آباد تھے۔ جو سانپ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایرانی عمل داری میں ہخامنشی (Achaemenian) دورِ اقتدار کے بعد ٹیکسلا کا ذکر تاریخ کے اوراق پر تواتر سے نظر آتا ہے۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سائرس یا کوروش کی حکومت (559 تا 529 ق م) دریائے سندھ کے اطراف سمیت ایشیاء کوچک اور مغربی ایشیاء تک پھیل چکی تھی دارا اوّل بہستان کے عہد (522 تا 486 ق م) میں گندھارا بیسویں صوبے کے طور پر ہخامنشی سلطنت کا حصّہ تھا اور اس کا پایۂ تخت ٹیکسلا تھا ایرانی عہد کے ٹیڑھے اور سلاخی سکے ٹیکسلا کے پہلے شہر ''بھڑ ماؤنڈ'' سے ملے ہیں ایرانیوں

Scanned with CamScanner

نے یہاں آرامی زبان متعارف کرائی جس سے ٹیکسلا میں جنم لینے والے خروشتی رسم الخط کی ابتداء ہوئی۔

چوتھی صدی قبل مسیح میں مقامی حکمرانوں کی کمزوریوں اور باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر ہندو راجہ امبھی نے اقتدار پر قبضہ کرلیا جب 326 ق م میں سکندر اعظم دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد ٹیکسلا پہنچا تو راجا امبھی نے حالات کی نزاکت بھانپتے ہوئے اس سے صلح کر لی سکندر اعظم نے کچھ فوج کے ہمراہ فلپ ابن مچاٹس کو ٹیکسلا میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود جہلم (Hydaspes) کے راجہ پورس سے ٹکر لینے آگے بڑھ گیا۔ جب گندھارا پر یونانی جرنیل سلوکس نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تو موریہ خاندان کے بانی چندر گپت نے اسے شکست دی اور اس کی بیٹی کو بیاہ کر پاٹلی پتر (پٹنہ) لے گیا اس طرح یہ علاقہ یونانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا بندوسار (297 تا 274 ق م) حکمران بنا۔ جب مہاراجا اشوک نے عنانِ اقتدار سنبھالی تو اس کے دور میں بدھ مت کا خوب احیاء ہوا وہ ٹیکسلا کا گورنر بھی رہ چکا تھا اس نے یہاں برصغیر کے سب سے قدیم دھرماراجیکا اسٹوپ کی بنیاد رکھی اور اس میں مہاتما گوتم بدھ کے اصلی جسمانی تبرکات اور پھول دفن کئے اشوک اعظم (274 تا 237 ق م) نے اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں بڑی بڑی چٹانوں پر فرامین بھی کندہ کرائے۔ جن میں چند ایک مانسہرہ اور شہباز گڑھی میں آج بھی محفوظ ہیں۔ تبت کی روایات کے مطابق اشوک کا انتقال بھی ٹیکسلا میں ہی ہوا۔

189 قبلِ مسیح میں بلخی یونانیوں (Bactrian Greeks) نے پنجاب اور سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد ٹیکسلا کو اپنا دارالسلطنت بنایا یونانی حکمران ڈیمیٹریس نے بھڑ ماؤنڈ کے شمال مشرقی جانب دھرانا لے کے پار ایک مضبوط فصیل کے اندر ٹیکسلا کے دوسرے

Scanned with CamScanner

شہر ''سرکپ'' کی اقلیدسی اصولوں پر بنیاد رکھی اس شہر کا طرزِ تعمیر مثالی تھا نکاسی آب، آب پاشی اور صفائی کا بہترین نظام موجود تھا یونانی عہد (189 سے 90 ق م) تقریباً ایک صدی پر محیط رہا ان کے بعد ساکا یا سیتھین (90 ق م تا 25 عیسوی) کی حکومت قائم ہوئی جنہیں پارتھی یا پہلوی حکمرانوں (25 تا 60 عیسوی) نے ٹیکسلا سے بے دخل کیا ان دنوں یونان روم کے زیرِ نگیں (146 ق م) آچکا تھا۔ ایرانی، یونانی اور رومی قدروں کی آمیزش سے ایک نیا تمدن وجود پا رہا تھا چنانچہ پارتھی حکمرانوں کے عہد میں اس مخلوط ثقافت نے ٹیکسلا میں خوب نشوونما پائی جس سے گندھارا میں ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔ دوسری صدی قبل مسیح میں ٹیکسلا میں تعمیر شدہ جنڈیال مندر کے خاموش مینار سے پتہ چلتا ہے کہ شاید باختری یونانی اور پارتھی حکمران زرتشتی مذہب سے متاثر تھے مگر ٹیکسلا آکر انہوں نے مقامی مذاہب سے متصادم ہونے کی بجائے اپنے آپ کو ان کے رنگ میں ڈھال لیا تھا۔

پہلوی حکومت کے دور میں ہی حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری سینٹ تھوما (St.Thomas) تقریباً 40ء کے لگ بھگ ٹیکسلا کی گلیوں میں قدم رکھ چکا تھا اور پہلوی حکمران گونڈوفریز سے ملاقات بھی کی۔ مشہور کرشماتی شخصیت اپالونیس والئی ٹیانا نے بھی اپنے ہونہار شاگرد ڈیمس کے ساتھ تقریباً 44ء میں ٹیکسلا کا تفصیلی دورہ کیا اور مقامی فلسفیوں سے تبادلہ خیال کیا۔ پارتھی حکومت کا خاتمہ کشان حکمران وائما کیڈفیزیز کے عہد میں ہوا اس نے سرکپ کی بجائے ٹیکسلا کے تیسرے شہر ''سرِ سکھ'' کو آباد کیا کشان حکمرانوں نے دریائے ہرو اور لنڈی نالے کے درمیان ایک مستطیل نما فصیل تعمیر کی اور اس کے اندر یہ نیا شہر بسایا وائما کیڈفیزیز نے ہی اپنے دور حکومت میں چاندی کی بجائے سونے کے سکّوں کو رواج دیا تھا۔ کنشک اور ویسودیو جیسے حکمرانوں کے عہد میں علوم وفنون کی ترقی

Scanned with CamScanner

عروج پر تھی کشان (60ء تا 350ء) کے رومن سلطنت سے قریبی روابط تھے یہی وجہ ہے کہ گندھارا کے فنِ بت تراشی و بت سازی کے علاوہ عمارتی صنعت میں بھی رومن یونانی فنون کی چھاپ واضح نظر آتی ہے۔

کشان کے بعد یہ خطہ تھوڑے عرصہ کیلئے ساسانیوں (350 تا 390 عیسوی) کے زیرِ اثر رہا مگر جلد ہی کیدار کشان (390ء تا 460ء) نے ان سے اقتدار چھین لیا اس عہدِ زرّیں میں گندھارا اپنے عروج کی حدوں کو چھو رہا تھا تمام خطے میں ترقی و خوشحالی کا دور دورہ تھا اور ٹیکسلا کی شہرت کا ڈنکا سارے جہان میں بج رہا تھا۔ ہندو، جینی، بدھسٹ، آتش پرست، زرتشتی اور عیسائی مذاہب کے پیروکار امن اور آشتی سے ایک ساتھ بستے تھے خصوصاً بدھ فلاسفی خوب فروغ پا رہی تھی مشنری عالموں نے بدھ مت کو حکومتی سرپرستی میں چین، کوریا، جاپان، انڈونیشیا، تبت، منگولیا اور مشرقِ بعید کے متعدد ممالک تک پھیلایا۔ ٹیکسلا کی تعلیمی درس گاہوں نے کم و بیش ایک ہزار سال تک علم و حکمت کے موتی بکھیرے یہاں معاشیات، عمرانیات، طب، ادب، ریاضی، فلکیات، فلسفہ، مذاہب اور جنگ و حرب کے علاوہ بھی بے شمار علوم پڑھائے جاتے اور دور دراز کے ممالک سے سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے طلباء آتے اور زیورِ علم سے آراستہ ہوتے۔

460 عیسوی کے لگ بھگ وسطِ ایشیاء سے سفید ہنوں (White Huns) کا خوفناک سیلابی ریلا آیا جو دیکھتے ہی دیکھتے گندھارا کے طول و عرض میں پھیل گیا اور علوم و فنون کی تمام درس گاہوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا ان ظالم اور سفاک قبائل نے تمام اسٹوپے اور خانقاہیں جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیں بھکشوؤں کو تہہ تیغ کر ڈالا اور عظیم الشان عمارتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یوں روئے گیتی پر گندھارا کے عروج کا

Scanned with CamScanner

سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا اور ٹیکسلا کی عظمت رفتہ قصّہِ پارینہ بن کر رہ گئی۔

گندھارا چینی سیاحوں کی آمد و رفت کا مرکز بھی رہا !!

تقریباً 400 عیسوی میں فاہیؔن نے ٹیکسلا کا تفصیلی دورہ کیا اس کے بعد 520 عیسوی میں سنگ یونؔ یہاں آیا۔ مشہور چینی سیاح ہیون تسنگؔ (629 تا 645 عیسوی) نے بھی ان علاقوں کے چشم دید حالات و واقعات رقم کیے اس وقت ٹیکسلا سلطنتِ کشمیر کا حصہ تھا اور بدستور نویں صدی کے نصف تک اس کا باج گزار رہا۔ کشمیر پر ہندو خاندان کی حکومت تھی اور وہ لوگ بدھ مذہب کے مخالف تھے اس طرح بدھ مت کے انحطاط کے ساتھ ساتھ گندھارا کا فنِ بت تراشی بھی حکومتی سرپرستی سے محروم ہو گیا۔

ہیون تسنگؔ اپنے سفر نامے میں ٹیکسلا کے متعلق لکھتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں بدھ خانقاہیں اور اسٹوپے نیم ویران ہو چکے تھے ہنوں کے ہاتھوں ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کے بعد بچے کھچے بھکشو سہمے ہوئے تھے۔ ہیون تسنگؔ ٹیکسلا کی زرخیزی کا بہت معترف نظر آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں قدرتی چشموں اور ندی نالوں کا جال بچھا ہوا ہے پھل اور پھول کثرت سے اُگتے ہیں۔ پہاڑ سرسبز ہیں آب و ہوا اور موسم خوش گوار ہے اور لوگ باگ سادے اور ملنسار ہیں۔

نویں صدی عیسوی میں ٹیکسلا کابلؔ کی ترک شاہی حکومت کے زیرِ اثر آ گیا۔ وہ لوگ اپنے آپ کو کنشکؔ کی نسل سے خیال کرتے تھے۔ 870 عیسوی میں جب یعقوب الیاس نے کابل میں اسلامی حکومت قائم کی تو ترک شاہی دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے قریب ہنڈ کے مقام پر منتقل ہو گئے تقریباً 880 عیسوی میں ہندو شاہی نے ترک شاہی کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا۔ ہندو شاہی اور ترک شاہی حکمران دونوں ہی ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔

Scanned with CamScanner

ہندو شاہی حکومت کا خاتمہ 1014ء میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں انجام پایا۔ اس عہد کا مشہور مورخ ابوریحان البیرونی نے ٹیکسلا کا ذکر بھی کیا ہے جو اس وقت (1030ء) مارگلہ کہلاتا تھا یوں گندھارا کے رُو بہ زوال ہونے کے بعد رفتہ رفتہ ٹیکسلا کا نام بھی زینتِ طاقِ نسیان ہو گیا۔

بالآخر برصغیر میں انگریزوں کے عہدِ حکومت میں مشہور ماہرِ آثارِ قدیمہ سر جان مارشل (1913 تا 1934 عیسوی) نے یہاں کھدائیوں کا آغاز کیا اور ٹیکسلا کی تاریخی حیثیت سے بیرونی دنیا کو روشناس کرایا۔ دھرم راجیکا نامی اسٹوپ کی کھدائی کے دوران ایک کتبہ برآمد ہوا جس سے ٹیکسلا کے قدیم نام کی نشاندہی ممکن ہوئی۔

اس انکشاف کے بعد سر جان مارشل نے ریلوے اسٹیشن کا نام ''شاہ ڈھیری'' سے تبدیل کر کے اس کا اصل نام ''ٹیکسلا'' لوٹا دیا۔۔۔۔

ٹیکسلا شروع سے ہی میری دلچسپیوں اور امنگوں کا محور رہا تھا۔ شعور کی منزلیں طے کرتے ہوئے میری محبت بھی پروان چڑھ رہی تھی۔ یوں دھیرے دھیرے اس شہرِ گل رنگ سے میرے رومانس کا بندھن مضبوط ہوتا گیا۔

ان دنوں دورویہ چھتنار درختوں سے گھری، عجائب گھر کی سمت جانے والی ٹھنڈی سڑک پر غیر ملکی سیاحوں کی چہل پہل رہتی تھی۔ سرسبز بیلوں، پھولوں اور سایہ دار پیڑوں کے جھنڈ میں ایستادہ یوتھ ہوسٹل کی نقرئی عمارت انگریز جوڑوں کے قیام سے رات بھر بقعہ نور بنی رہتی ٹیکسلا کے اطراف میں پھیلی ہوئی بدھ خانقاہیں اور اسٹوپے سیاحوں کی آمد و رفت سے آباد تھے۔ یاتریوں کی بھیڑ دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ نروان کے سربستہ راز جاننے کیلئے تتھاگت بدھ کی تلاش میں ٹیکسلا کے خرابوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

سیاح مقامی لوگوں سے جلد گھل مل جاتے ہم بھی دوستوں کے ہمراہ بدیسی گوروں سے گپ شپ کرتے ان کے ساتھ گھومتے، چائے کے دور چلتے، آثارِ قدیمہ کی سیر کی جاتی اس طرح غیر محسوس طریقے سے گندھارا تہذیب اور خصوصاً ٹیکسلا کی تاریخ سے رشتے گہرے ہوتے رہے۔

جب عبدالحلیم صاحب عجائب گھر کے نگران بن کر ٹیکسلا آئے تو ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ان کا بچپن یہیں بسر ہوا تھا اور ابتدائی تعلیم بھی ٹیکسلا ہی میں حاصل کی تھی ان سے پرانے خاندانی روابط استوار تھے۔ اس طرح عجائب گھر کی لائبریری کے دروازے بھی ہمارے لئے کھل گئے اور حلیم صاحب سے علمی رفاقت بھی حاصل ہوگئی۔

پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کرنے کے بعد مجھے مزید تعلیم کیلئے فلپائن جانے کا اتفاق ہوا مشرقِ بعید میں رہنے والے دانشوروں سے تبادلہ خیال کا موقع ملا گندھارا اور ٹیکسلا میں ان کی دلچسپی دیکھتے ہوئے میرے شوق کو بھی مزید تقویت ملی چنانچہ اس طرح میں نے تاریخ کے موضوع پر کہانیاں لکھنے کا آغاز کر دیا۔ سرکاری ملازمت کی مصروفیت اور دیگر کئی عوامل بھی آڑے آئے مگر خداوند کریم کی مدد سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ چلتا رہا جو آخر کار تاریخی حقائق اور معاشرتی کہانی کی آمیزش سے ایک منفرد ادبی جہت کے آغاز کا باعث بنا۔

چونکہ ٹیکسلا یونیسکو کے عالمی ورثے کی فہرست میں شامل ہے اس لئے میں نے قرب وجوار میں پھیلے ہوئے تمام قدیم آثار کے تاریخی پس منظر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہانیاں لکھنے کی اپنے تئیں کوشش کی۔ اس تناظر میں بین الاقوامی جریدے ''تادیب'' کے مدیر حمید قیصر نے خاصی حوصلہ افزائی کی اور اپنے ادبی جریدے میں میری کہانیوں کو جگہ دی۔ اپنے عزیز دوست اور بھائی سجاد اظہر کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری کاوشوں کو

Scanned with CamScanner

اخبارات کی زینت بنایا۔ جناب طالب انصاری کی مساعی کی بھی قدر کرتا ہوں جنہوں نے بکمالِ لطف وعنایت میری ابتدائی کہانیوں کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کیا۔ اپنے بچپن کے دوست مفاخر مہدی برادرِ خورد اصغر علی عزیز القدر علی شیبہ انصاری کے قیمتی مشوروں نے بھی میرے حوصلے پست نہ ہونے دیئے۔ سید اذکار مرحوم کی محبتوں کا بھی ہمیشہ مقروض رہوں گا۔ ہسپانیہ سے تعلق رکھنے والے اپنے دیرینہ ساتھی جوزف کا بھی ممنون ہوں۔ وہ جب بھی پاکستان آتا ہے میرے ذوق وشوقِ تاریخ کے طاقچے میں موم بتی روشن کر جاتا ہے جو تادیر خود ہی بھڑکتی رہتی ہے۔ مجھے صدقِ دل سے اعتراف ہے کہ یہ کتاب ہرگز پایہ تکمیل تک نہ پہنچتی اگر مجھے والدہ کی دعائیں اور رفیقہ حیات کا تعاون میسر نہ آتا۔

آخر میں ماہنامہ ''تجزیات'' کے مدیر جناب محمد عامر رانا کا شکریہ بھی واجب ہے جنہوں نے اس کتاب کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے بھرپور معاونت کی۔

یوں صبر آزما اور کٹھن مراحل سے گزرنے کے بعد ''ٹیکسلا ٹائم'' ایک ایسے ''کتابی عجائب گھر'' کے روپ میں آپ کے سامنے موجود ہے جس کے کھُلنے کے اوقات میں وقت کی پابندی مانع نہیں۔۔۔ آیئے اومنی بس (Omnibus) اپنے گائیڈ کے ہمراہ آپ کو ٹیکسلا کے خرابوں کی سیر کرانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔

انجینئر مالک اشتر

اگست ۲۰۱۰ء

Scanned with CamScanner

دیباچہ

اسے میں اپنی خوش بختی کہوں گا کہ 2004ء میں حویلیاں سے واہ تبادلے کی وجہ سے میری ملاقات مالک اشتر سے ہوئی۔ یوں تو پاکستان آرڈننس فیکٹری میں ہم ایک ہی شعبے میں کام کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان سے رسمی علیک سلیک تو تھی مگر ابھی گہری وابستگی قائم نہیں ہوئی تھی۔ شیخ سعدیؒ کے بقول۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر، باز با باز

مالک اشتر کے اعلیٰ ادبی ذوق نے مجھے ان کی طرف راغب کرلیا۔ دو چار بیٹھکوں نے ہی دوستی کا رشتہ مضبوط کر دیا۔ ہمارے ایک شاعر دوست جمیل یوسف کہا کرتے ہیں کہ مجھے وہ شخص کبھی نہیں بھولتا جو اچھا شعر سنا دے۔ وہ دل و دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے۔ مالک اشتر

Scanned with CamScanner

کی شخصیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ یہ اپنی نرم گفتاری، ملنساری اور خوش اطواری سے آپ کے دل میں اُتر جاتا ہے۔

مالک اشتر بنیادی طور پر نثر نگار ہے۔ مزید اختصاص یہ ہے کہ اسے ٹیکسلا کی قدیم ثقافت اور تاریخ سے حد درجہ دلچسپی ہے۔ وہ جنون کی حد تک ٹیکسلا کی مٹی سے محبت رکھتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ تو یہ بھی ہے کہ اس کا لڑکپن اور بچپن ٹیکسلا کی گلیوں میں دُھول اُڑاتے پتنگیں اڑاتے، کنچ کڑے کھیلتے گزرا۔ انسان کہیں بھی چلا جائے اُس جگہ کو کبھی نہیں بھولتا جہاں اس کا بچپن گزرا ہو۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ٹیکسلا کی قدیم تہذیب جسے گندھارا تہذیب کہا جاتا ہے اتنی جان دار ہے کہ اسے دنیا کی کسی بھی بڑی تہذیب کے بالمقابل رکھا جاسکتا ہے۔ اس تہذیب کی باقیات جو کھنڈرات کی شکل میں ٹیکسلا کے قرب و جوار میں پھیلی ہوئی ہیں سیاحوں کے لئے ایک کشش رکھتی ہیں۔ مالک اشتر ان کھنڈرات کے ایک ایک پتھر سے واقف ہے۔ وہ گندھارا تہذیب کے متعلق اتنا کچھ جانتا ہے کہ بعض اوقات گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید اس نے آثارِ قدیمہ (Archaeology) میں باقاعدہ ڈگری لے رکھی ہے۔ مگر علم ڈگریوں کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ سند یافتہ اور علم یافتہ میں یہی تو فرق ہے۔ مالک اشتر ایک سِول انجینئر ہے۔ وہ پتھروں کے شہر ٹکشا سلا کی تعمیر کے فنّی رموز پر بھی گہری نگاہ رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر ''پیلے پھول، پرندے اور پپلاں کی خانقاہ'' سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو مالک اشتر کی فنِ تعمیر سے دلچسپی کی واضح دلیل ہے۔

''یہ بتانا بھی محلِ نظر نہ ہوگا کہ اس سے پیشتر ٹیکسلا کے پہلے شہر بھڑ ماؤنڈ (ہخامنشی سے باختری یونانی عہد یا چھٹی صدی تا دوسری صدی قبل مسیح) میں پتھر کی بے تکی چنائی کا استعمال ہوا تھا جبکہ ردے دار بے ترتیب چنائی کا رواج سیتھی سے پارتھی عہد (دوسری صدی قبل مسیح تا پہلی صدی عیسوی) میں ہوا پھر پہلی صدی عیسوی میں چھوٹی چال کی چنائی متعارف ہوئی

Scanned with CamScanner

جس میں ردے دار پتھروں کو وقفے سے جوڑ کر بیچ میں سنگی ٹکڑے بھر دیئے جاتے۔ اسی دوران بڑے پتھروں کا استعمال بھی شروع ہو گیا پھر دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر چنائی کی طرز میں مزید تبدیلی ہوئی جو پانچویں صدی تک قائم رہی اس طرزِ تعمیر میں شکل دار پتھروں کا استعمال ہوا اور درمیانی وقفے کو بھی کس قدر تراشے ہوئے پتھروں سے پُر کیا جانے لگا"۔

اور ذرا ادبی حِس بھی ملاحظہ فرمایئے کہ عنوان "پیلے پھول، پرندے اور پپلاں کی خانقاہ" کے تمام الفاظ "پ" سے شروع ہوئے ہیں۔ "پ" کی یہ تکرار سماعتوں میں صوتی رنگ گھول دیتی ہے۔

ٹیکسلا کی زمین سے گہری محبت کی وجہ سے مالک اشتر کی تمام کہانیاں ٹیکسلا کے کھنڈرات کے گرد گھومتی ہیں۔ اس کی کہانیاں پڑھ کر قاری فلیش بیک کی طرح ماضی میں رینگ جاتا ہے۔ کم سے کم میرے ساتھ تو ایسا ہی ہوا۔ ہر کہانی مجھے کھینچ کر عہدِ پارینہ میں لے گئی۔ میں نے دیکھا کہ ٹیکسلا کے گرد پہاڑوں پر گھنے جنگل ہیں۔ جنہیں کرشر مشینوں کا کوئی خوف نہیں ہے۔ باگھ بگھیلے اس گھنے جنگل کی رونق ہیں۔ نہ موٹروں کا شور، نہ چمنیوں سے نکلتا ہوا دھواں اور نہ پتھر پیسنے والی مشینوں سے اٹھتا ہوا گرد و غبار۔ چاروں اور لمبی لمبی گھاس جھلملاتی ہے۔ گہرے سُرخ اور نارنجی رنگ کے پھُول کھلے ہیں۔ اور بھکشوؤں کی ٹولیاں گیروے کپڑے پہنے کھڑاؤں پہنے، ہے بدّھا، ہے دھرما کا راگ الاپتی گزر رہی ہیں۔ ہر طرف سکون ہی سکون ہے۔ شانتی ہی شانتی۔ جُھوٹا مُوٹا اور کچّی پکّی دال بھات کھانے والے شاکیہ منی کے چیلے، جنہیں نہ بارش کی پروا ہے نہ تیز دھوپ کی، اپنی دُھن میں مست تپسّیا میں مصروف ہیں۔

مالک اشتر کی کہانیوں کا اعجاز ہے کہ یہ آپ کو اُس مخصوص ماحول کی سیر کرواتی ہیں جو

Scanned with CamScanner

وقت کے تند ریلے میں بہہ گیا ہے۔ اور اب شاید کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ کیونکہ وقت کی سمت دولابی نہیں ہے بلکہ خطِ مستقیم میں ہے۔ یہ آگے بڑھتا جاتا ہے۔ بس مالک اشتر جیسا لکھاری اپنے قلم کی جولانیوں سے گزرے ہوئے مناظر کی تصویر کشی کرتا رہتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی کہانیوں میں سنسنی خیز واقعات کے ساتھ ساتھ تاریخی معلومات کا ذخیرہ بھی موجود ہوتا ہے۔ وہ تاریخی معلومات کو اس خوبصورتی کے ساتھ اپنی کہانیوں کا حصّہ بناتا ہے کہ کہیں بھی قاری اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ ٹیکسلا سے متعلق کہانیوں کا یہ مجموعہ اس قدر معلومات فراہم کر دیتا ہے کہ ٹیکسلا کے کھنڈرات کی سیر کے سلسلے میں آپ کو کسی رہنما کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مالک اشتر ذرا دیر سے اپنے آپ کو متعارف کروا رہا ہے مگر اس کی سمت درست ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ٹیکسلا کی تہذیب کے بارے میں اسی انداز کی دلچسپ کہانیاں لکھتا رہے گا۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اس کی یہ اوّلین کتاب ''ٹیکسلا ٹائم'' ایک تاریخی دستاویز کے طور پر بھی تسلیم کی جائے گی۔

طالب انصاری

Scanned with CamScanner

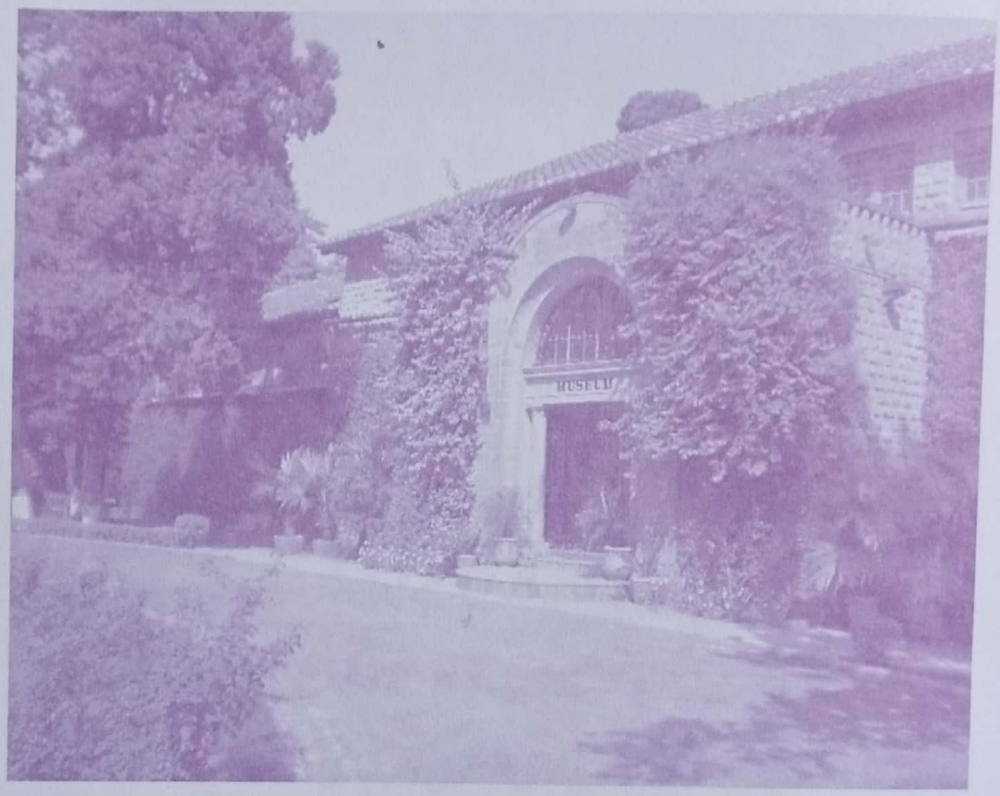

کیا تم ٹیکسلا سے آئے ہو؟

Scanned with CamScanner

مفاخرؔ میرا لنگوٹیا تھا۔

ہم دونوں کا بچپن مکئی کے سنہرے کھیتوں میں بھٹے توڑتے اور سرسبز و شاداب باغوں میں مالٹے کھاتے گزرا تھا سارا سارا دن نیکریں پہنے گلیوں میں کنکوے لوٹتے یا چلچلاتی دھوپ میں بائی سائیکلوں پر گھوما کرتے۔ سیانے ہوئے تو کوہ پیمائی کا شوق در آیا اور ٹیکسلا کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تمام پہاڑی سلسلوں کو سر کیا حتیٰ کہ مشہور پہاڑ ''کے ٹو'' کے نشیبی علاقے بھی ہماری پہنچ سے دور نہ رہ سکے۔

مفاخرؔ سے دوستی کی ایک اہم وجہ اور بھی تھی دراصل ہم دونوں پر جنون کی حد تک انگریزی بولنے کا بھوت سوار رہتا تھا جب غیر ملکی سیاح آثارِ قدیمہ دیکھنے ٹیکسلا آتے تو ہم بھی مختلف حیلے بہانوں سے ان کے قریب ہونے کی کوشش کرتے اور یوں ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول کر اپنے آپ کو نیم انگریز سمجھتے۔ سیاح عموماً عجائب گھر کی عمارت سے چند گز

Scanned with CamScanner

دور واقع ''یوتھ ہوسٹل'' میں آ کر ٹھہرتے تھے اور ہم نے اس کا حل بھی تلاش کر رکھا تھا۔ بابا امام دین ہوسٹل کا نگران تھا اور وہ لکھنے پڑھنے سے تقریباً نابلد تھا ہم نے اس سے راہ و رسم بڑھا رکھی تھی چنانچہ جب کسی گورے صاحب یا خوبصورت میم کی آمد کی اطلاع ملتی تو ہم بھی فوراً وہاں پہنچ جاتے مترجم کے فرائض انجام دیتے ان کے کوائف رجسٹر میں درج کرتے ضروری معلومات فراہم کی جاتیں۔ انگریز ہمیں امام دین کی فیملی کا ہی فرد سمجھتے اور اس طرح ہم جلد ہی ایک دوسرے سے گھل مل جاتے۔

ایک روز جب میں کالج سے واپس لوٹا تو مفاخر کو بے چینی سے اپنا منتظر پایا میں سمجھ گیا کہ آج پھر کسی بدیسی گورے یا گوری نے آ کر اس کی نیند حرام کر دی تھی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا مفاخر نے ایک سکاٹ جوڑے کے آنے کی خبر سنائی ہم دونوں فوراً ہی ''یوتھ ہوسٹل'' پہنچے اور وسیع و عریض لان میں بے چینی سے ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

نوجوان کا نام ولیم جان تھا اور دبلی پتلی سی لڑکی ہیلن تھی دونوں اسکاٹ لینڈ کی کسی یونیورسٹی میں تاریخ کے طالب علم تھے وہ سنسکرت زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ گندھارا تہذیب پر تحقیق کی غرض سے ٹیکسلا آئے تھے۔

جلد ہی ہماری ملاقاتیں دوستی میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ سارا سارا دن گردونواح میں پھیلے آثارِ قدیمہ کی خاک چھانتے اور شام کو ان سے ہماری مڈبھیڑ ہوسٹل میں ہوتی انہیں تاریخ پر خاصی دسترس حاصل تھی خصوصاً جب وہ ٹیکسلا کے شاندار ماضی کے پوشیدہ گوشوں سے پردہ اٹھاتے تو ہم حیرت سے ان کا منہ تکتے رہ جاتے۔

ایک روز جب میں نے جان کو ٹیکسالو جسٹ کہہ کر چھیڑا تو اس کے تار بجنے لگے وہ ترنگ میں آ کر کہنے لگا ''ٹیکسلا۔۔۔ عہدِ قدیم کا ایک انمول اور قیمتی ہیرا تھا اس کی علمی اور تہذیبی

Scanned with CamScanner

چمک دمک دور دور تک پھیلی ہوئی تھی یہ اپنے زمانے کی ایک ترقی یافتہ تہذیب تھی یہاں فاتح عالم آئے نامور حکمرانوں نے اپنے اقتدار کا سکّہ بٹھایا۔ شاہی سرپرستی میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں جہاں سے فارغ التحصیل طلباء نے دنیا کے کونے کونے میں علم کی شمعیں جلائیں۔۔۔'' جانؔ نے زور دیتے ہوئے کہا'' یہاں پڑھائے جانے والے نصاب میں قانون جغرافیہ، فلسفہ، تقویم، ریاضی، اتہاس (تاریخ)، سیاست، فنونِ لطیفہ، طب، مذاہب، فلکیات، حرب، جراحی، کھیل، عطر کشی، شراب کشید کرنا، سنگ تراشی، فنِ تعمیر، سکہ سازی اور ملمع سازی کے علاوہ دیگر کئی علوم شامل تھے یقین مانیے آج کے جدید دور کی ہاورڈ اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں، قدیم ٹیکسلا کی درس گاہوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں''۔

ہمیں متجسس دیکھ کر ہیلنؔ کہنے لگی'' اس میں کوئی شک نہیں کہ گندھارا کی راجدھانی ٹیکسلاؔ کی شہرت کا ڈنکا کبھی سارے جہان میں بجتا تھا یہاں ایک ہزار سال تک چھوٹی بڑی کئی درس گاہیں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہیں اس مادرِ علمی کی بازگشت ارسطو کی اکیڈمی میں بھی سنائی دیتی تھی جب چوتھی صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم ٹیکسلا آیا تو اس نے یہاں کئی روز تک قیام کیا اور اپنی فتح کا جشن منایا۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے ایک حواری سینٹ تھامسؔ کو تبلیغ کے لیے بھیجا تھا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرزمین فلسطین کے بعد ٹیکسلا ہی ایک ایسا خطہ تھا جہاں سب سے پہلے عیسائیت نے اپنے قدم جمائے۔ تیسری صدی ق م میں مشہور قواعد دان پانینی یہاں تعلیم دیتا تھا اس نے سنسکرت کی صرف و نحو ترتیب دی تھی۔ چندر گپت موریہ نے بھی یہاں تعلیم حاصل کی مگدھ (موجودہ صوبہ بہار) کے بادشاہ بمبی سار کا شاہی طبیب اور جراح جیوک کمار بھرتی سات سال تک یہاں زیرِ تعلیم رہا اس نے مہاتما بدھ کا علاج معالجہ بھی کیا تھا۔ مہاتما بدھ کا ایک اور ہم عصر کوشالا (اودھ) کا بادشاہ پرسین اجیت

Scanned with CamScanner

بھی اسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل تھا۔ اپالونیس والئی ٹیانا بھی اپنے معتمدِ خاص ڈیمس کے ہمراہ یہاں مطالعہ کرنے آیا تھا۔ اس مردم خیز خطے نے دنیا کو کئی نامور سائنسدان، طبیب، فلاسفر اور فنکار دیئے۔

کوتلیہ چانکیہ جیسا شاطر سیاستدان اور معلم یہاں پیدا ہوا وہ ہندو فلسفے کی شہرہ آفاق کتاب ارتھ شاستر کا مصنف تھا ماہر امراضِ چشم گھوش جو کہ موریہ خاندان سے وابستہ تھا اس نے بھی یہیں تعلیم حاصل کی عظیم فلسفی آشوا گھوش کے علاوہ اپنشد کا راوی اوالیکا اردنی، یوگ شاستر کا مصنف تپنجلی رشی، مہاراجہ کنشک کا ذاتی معالج اور چرک شاستر کا مصنف چرک، بکر ماجیت کا جراح دھونتری، مشہور طبیب آتر سا اور شہرہ آفاق جینی عالم مال دیو سوری وغیرہ ٹیکسلا کے ہی فارغ التحصیل تھے۔ بدھ مذہب کے مشہور عالم نگر جونا، اسنگا، ویسو بندھو، واسومتر اور پدماسم باوا اسی خطے سے تعلق رکھتے تھے۔ آخر الذکر کو تبت میں بدھ ازم پھیلانے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور اس نے لہاسا میں پہلی بدھ خانقاہ بھی تعمیر کی۔ سگمنڈ فرائڈ نے بیسوی صدی عیسوی میں شعور کی جن مختلف اقسام پر بحث کی ہے اسنگا (395-470ء) اور ویسو بندھو (400-480ء) یہ نظریات صدیوں پہلے پیش کر چکے تھے نالندہ، سرناتھ اور ارجنٹا کی یونیورسٹیوں کی بنیادیں رکھنے والوں میں ٹیکسلا کی درس گاہوں کے فاضل شامل تھے۔ اس کے علاوہ خروشتی زبان کا وجود بھی ٹیکسلا ہی کا مرہونِ منت ہے یہاں متعدد نئی صنعتیں وجود میں آئیں۔ گندھارا کے دبستانِ فن کی ایجادات کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ اس کا اجمالی جائزہ لینا قطعاً ناممکن ہے"۔

ہیلن کے خاموش ہوتے ہی جان نے جونہی کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہم مرغِ بادنما کی طرح اس کی جانب گھوم گئے وہ بولا۔۔۔!!

Scanned with CamScanner

''چونکہ ٹیکسلا تجارتی راستوں کے چوراہے پر واقع تھا یہاں سے بدھ مت چین، کوریا، جاپان، انڈونیشیا، منگولیا اور مشرقِ بعید کے ممالک تک پھیل گیا۔ آج بھی ان ملکوں کے ادب اور لوک کہانیوں میں ٹیکسلا کا ذکر ملتا ہے خصوصاً تھائی لینڈ وغیرہ میں عالم فاضل شخص کو ''ٹیکسلا پلٹ'' کہا جاتا ہے''۔

میں اور مفاخر ''ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم'' کی تصویر بنے بیٹھے تھے اس سے پیشتر ہمیں خطہ گندھارا اور خصوصاً ٹیکسلا سے متعلق اس قدر گراں بہا معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ بالآخر ہمیں جان اور ہیلن کی قابلیت کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ ہم نے ان کی معیت میں جولیاں یونیورسٹی دیکھنے کا پروگرام بنایا اور اگلے ہی روز موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔

جولیاں کی قدیم یونیورسٹی ٹیکسلا سے چند کوس دور ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے اس کے چاروں طرف جنگلی زیتون کے درختوں کا گھنا جنگل ہے دور سے یہ منظر مشہور فلسطینی پہاڑ کوہِ زیتون سے مشابہ نظر آتا ہے سطح زمین سے اس کی بلندی لگ بھگ 300 فٹ ہے جب اوپر سے زیریں جانب طائرانہ نگاہ ڈالیں تو ابھری ہوئی چٹانوں کے مخروطی ابھار دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے سمندر کی گرم اور سنہری ریت پر نوجوان دوشیزائیں چت لیٹی غسلِ آفتابی کے مزے لوٹ رہی ہوں ان چٹانوں کے پہلو سے پانی کی ایک نہر رواں ہے جس کے شفاف پانی میں آسمانی رنگ کی قدرتی آمیزش سے ماحول کا حقیقی حسن دوچند ہو جاتا ہے گائیڈ بتا رہا تھا:۔

جولیاں کا نام ''جائے ولیاں'' سے وجود میں آیا ہے جس کا مطلب ہے ''ولیوؤں یا بھکشوؤں کی پناہ گاہ'' ولیم جان نے معنی خیز نظروں سے ہیلن کی جانب دیکھا اور مسکراتے

Scanned with CamScanner

ہوئے کہنے لگا ''میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید رومیو کی جیولیٹ یہاں آئی تھی جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام جولیاں پڑ گیا ہے۔'' جان کا مزاحیہ جملہ گائیڈ کے سر سے گزر گیا اور وہ برابر رٹے رٹائے جملے بولتا جا رہا تھا'' طالب علم بھکشو یہاں کثیر تعداد میں آتے اور مقامی گوروں سے کسبِ فیض کرتے یہ جگہ چاروں جانب سے پہاڑوں میں گھری ہوئی تھی اور بیرونی حملہ آوروں کی زد سے محفوظ تصور کی جاتی تھی درس گاہ کے کمرے بڑے اسٹوپ کے سامنے تعمیر کیے گئے تھے جس کے چاروں طرف مہاتما گوتم بدھ کے لاتعداد مجسمے بنائے گئے تھے جو شہزادہ سدھارتھ کے بچپن سے لے کر نروان حاصل کرنے تک مختلف مناظر پیش کر رہے تھے جبکہ منتی اسٹوپ کے ساتھ ہاتھی، شیر اور انسانوں کے نادر مجسمے بھی تھے گائیڈ نے بطورِ خاص مہاتما بدھ کا ایک خوبصورت مجسمہ بھی دکھایا جس کے پیٹ میں انگشتِ شہادت داخل کر کے جو دعا بھی مانگی جائے وہ قبولیت کی سند پاتی تھی۔

جان نے بھی یہ عمل دہرایا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر ہیلن کا ہاتھ تھام لیا وہ ہماری تند و تیز نظروں کا سامنا نہ کر پائی اور شرماتے لجاتے آگے بڑھ گئی۔ جان نے بھی ڈھٹائی سے ہنسنا شروع کر دیا۔ ادھر میں سوچ رہا تھا کہ مشرق ہو یا مغرب صنفِ نازک کی عشوہ طرازیاں اور غمزہ و ادا یکساں ہوتی ہیں۔

درس گاہ سے ملحق طلباء کی رہائش کیلئے جدید خطوط پر استوار ایک پر فضا خانقاہ تھی جس کے چاروں طرف اندر کے رخ پر متعدد کمرے تھے دو منزلوں پر مشتمل یہ خانقاہ بڑے بڑے پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھی ہر کمرے میں ہوادان اور طاقچے موجود تھے کمروں کے سامنے لکڑی کے مضبوط ستونوں پر شہتیر جوڑ کر برآمدہ بنا دیا گیا تھا۔ چوکور صحن کے وسط میں پانی کا دو فٹ گہرا حوض تھا جو بارش کے پانی کی نکاسی اور بھکشوؤں کے نہانے دھونے کے کام

Scanned with CamScanner

آتا تھا کیچڑ میں پاکیزگی کی علامت کے طور پر کبھی بھکشوان تالابوں میں کنول کے پھول اگاتے تھے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی بدھسٹ ممالک میں یہ رسم جوں کی توں برقرار ہے۔ ایک کونے میں غسل خانہ تھا خانقاہ کی دیواروں پر اور خصوصاً ڈیوڑھی کے سامنے جابجا مہاتما گوتم بدھ کے مجسمے ایستادہ تھے۔ خانقاہ سے باہر نکلتے ہی باورچی خانہ، طعام گاہ، برتن مانجھنے کا کمرہ، منتظم کا کمرہ اور ایک بہت وسیع مجلس گاہ تھی جس کی چھت بڑے بڑے ستونوں نے تھام رکھی تھی غالباً یہاں طلباء کے اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ برتنوں والے کمرے سے باہر جانے کا راستہ تھا یہاں سے ایک پگڈنڈی دور پہاڑوں کی جانب نکل جاتی تھی آج بھی وہاں عہدِ قدیم کا ایک کنواں مضافات میں رہنے والوں کیلئے شفاف اور ٹھنڈے پانی سے لبریز جامِ صحت تجویز کر رہا ہے۔

گائیڈ نے ہمیں چند ایسے خاکستر مقامات بھی دکھائے جو ماضی میں سفید ہنوں کے ہاتھوں پھیلائی ہوئی تباہی و بربادی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں سورج پرست قوم نے ان مراکز کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی اور تشنگانِ علم کو زندہ جلا دیا تھا۔

یہ دسمبر کا مہینہ تھا چونکہ سردیوں کے موسم میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہو جاتی ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سورج ڈوبنے کا احساس تک نہ ہوا۔ یخ بستہ ہوا بھی چلنا شروع ہو گئی تھی رفتہ رفتہ سردی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا ہم جلدی جلدی پہاڑی سے نیچے اترے جولیاں میں سیاحوں کی آمد و رفت کی وجہ سے کئی ریستوران بھی کھل چکے ہیں ہمیں بھی شدت سے گرما گرم چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ ایک صاف ستھرا ہوٹل دیکھ کر ہم اس میں گھس گئے اور سردی کا زور کم کرنے کی خاطر آگ کے چولہے کے اردگرد ہی کھڑے ہو کر

Scanned with CamScanner

وطن سکاٹ لینڈ روانہ کر دیئے گئے۔ مقامی پولیس نے کچھ روز ہم دونوں کو شاملِ تفتیش رکھا۔ کاروائی مکمل ہونے کے بعد کیس داخل دفتر کر دیا گیا۔ کئی دنوں تک مفاخر اور میں سکتے کے عالم میں رہے ہمارا ہوسٹل آنا جانا کم ہو گیا اور سیاحوں سے میل جول بھی باقی نہ رہا یوں رفتہ رفتہ دن گزرتے گئے اور بات آئی گئی ہو گئی۔

کالج سے فراغت پاتے ہی مفاخر نے ایک مقامی ادارے کی ملازمت اختیار کر لی۔ مجھے فلپائن کی انجینئرنگ یونیورسٹی کی جانب سے اسکالرشپ کی پیش کش ہوئی اور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے منیلا چلا گیا۔

یہ شروع کے دنوں کی بات ہے میں اپنے بدھسٹ تھائی دوست کے ہمراہ فلپائینی خاندان کے ہاں مدعو تھا مختلف موضوعات پر گپ شپ ہو رہی تھی باتوں باتوں میں میری کسی دلیل کی صحت کو مشکوک خیال کرتے ہوئے میزبان بزرگ، ایک مقامی کہاوت میں طنزاً کہنے لگے ''برخوردار! تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔ کیا تم ''ٹیکسلا'' سے آئے ہو''۔

میں نے سینہ پھلا کر کہا ''جی ہاں۔۔۔ بندۂ ناچیز کا تعلق ٹیکسلا سے ہی ہے'' یہ سنتے ہی وہ ٹھٹھک کر رہ گئے انہوں نے میری بات کی دوبارہ تصدیق کی اور اٹھ کر ماتھا چوم لیا تھائی نوجوان کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں اس نے گرم جوشی سے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا وہاں موجود باقی خواتین بھی میری طرف دیکھ کر آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگیں اس روز مجھے جان اور ہیلن بے طرح یاد آئے انہوں نے بہت پہلے سے ہی مشرقِ بعید کے ممالک میں ٹیکسلا کی عظمت کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔

فلپائن میں میرا قیام زندگی کا ایک خوش گوار تجربہ ثابت ہوا۔ وہاں مجھے ٹیکسلا کے غیر

Scanned with CamScanner

سرکاری دانشور کی حیثیت حاصل رہی۔ تحصیل تعلیم سے فراغت پاتے ہی میں اپنے ملک واپس لوٹ آیا۔ آج مقامی لوگ مجھے فلپائن پلٹ کے طور پر پہچانتے ہیں مگر میرے دل میں یہ خواہش حسرت بن کر مچلتی رہتی ہے کہ کاش کوئی چپکے سے میرے کانوں میں کہے ''کیا تم ٹیکسلا سے آئے ہو!!''۔۔۔

Scanned with CamScanner

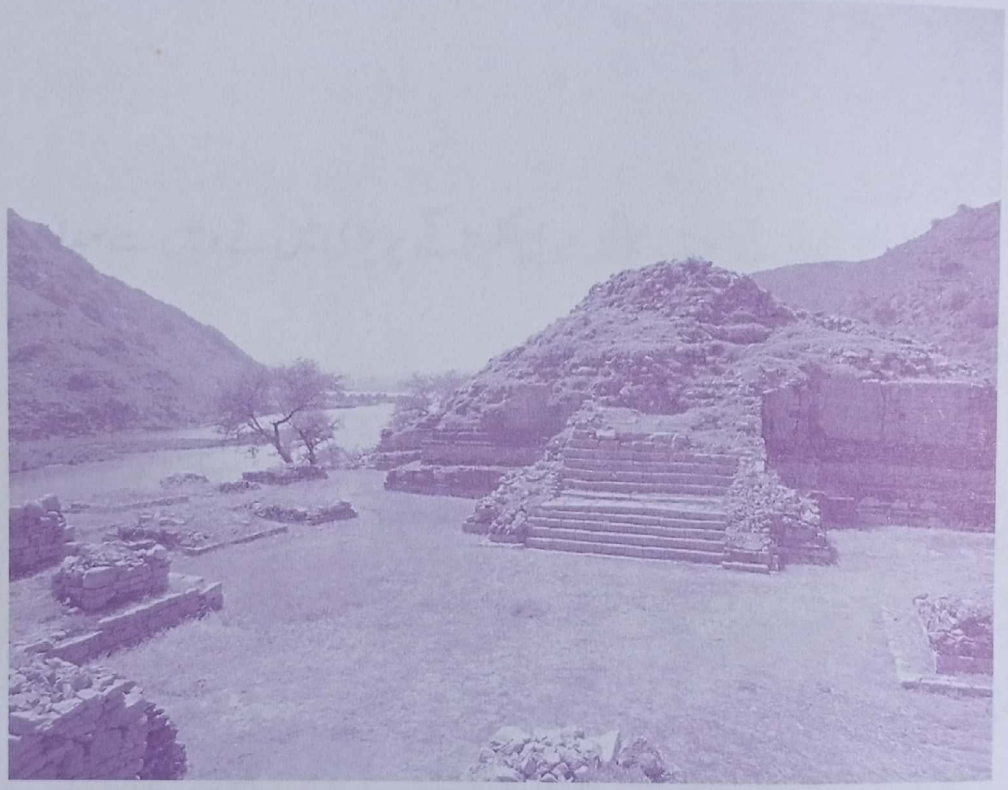

بھمالا - طلوعِ مہتاب کی سرزمین

Scanned with CamScanner

اس روز دفتر سے لوٹتے ہوئے جونہی میری نظر تانگے پر پڑی میں نے وہیں سے صدا لگائی!!''کیا تانگہ خالی ہے۔۔؟''

کوچوان نے سر پیچھے گھمایا اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا''جناب آپ کے لئے تانگہ تو کیا۔۔۔گھوڑا بھی حاضرِ خدمت ہے''اور پھر اس نے دھیمے سروں میں''ویر میرا گھوڑی چڑھیا''گنگنانا شروع کر دیا جس کا مطلب ہے کہ میرا بھیا سہرا باندھے گھوڑے پر بیٹھا کیا خوب سج رہا ہے۔!!

مجھے اس بے وقت گانے کی منطق سمجھ میں نہ آئی پنجاب کی ٹیاریں عموماً اپنے بھائی کی شادی کے موقع پر ایسے گیت گاتی ہیں۔میں نے جب قریب جا کر دیکھا تو تانگے کی اگلی نشست پر مشرقی لباس میں ملبوس دو انگریز خواتین بیٹھی نظر آئیں یقیناً صنفِ نازک کی موجودگی کی وجہ سے ہی شریر کوچوان نے جان بوجھ کر یہ گیت چھیڑا تھا!!۔

میرے بیٹھتے ہی گھوڑا تارکول کی سڑک پر ٹک ٹک دوڑنے لگا۔

Scanned with CamScanner

میں نے بدیسی خواتین سے رسماً مزاج دریافت کیا انہیں عجائب گھر اور ٹیکسلا کے دیگر آثارِ قدیمہ کے متعلق سرسری معلومات بھی بہم پہنچائیں فی الوقت وہ یوتھ ہوسٹل جانا چاہتی تھیں میں نے انہیں سامان سمیت وہاں تک باحفاظت پہنچانے میں پوری مدد فراہم کی۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ ان کا آبائی وطن لاس اینجلس امریکہ تھا دونوں سہیلیاں یعنی ایمی اور جولیا تصوف کی شیدائی تھیں اسی سلسلے میں ترکی، ایران اور افغانستان کا سفر مکمل کرنے کے بعد پاکستان وارد ہوئی تھیں ان کی اگلی منزل ہندوستان اور تبت تھی۔ وہ لاس اینجلس کے کسی مدرسے میں پڑھاتی تھیں اور اب موقع ملتے ہی وہ مشرقی ممالک کی سیر کی غرض سے ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں ادھر نکل آئی تھیں وہ بھی دیگر امریکی ہم وطنوں کی طرح مولانا روم کی شاعری پر جان چھڑکتی تھیں اس سلسلے میں انہوں نے ترکی، افغانستان اور ایران کی تفصیلی سیر کی وہ رومی، جامی، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، عریاں بابا اور عمر خیام کے مزارات پر حاضری دے چکی تھیں چونکہ روحانیت میرا بھی پسندیدہ مضمون تھا اس لئے ہم جلد ہی ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے۔

رقصِ درویش کے حوالے سے میرے استفسار پر ایمی کہنے لگی کہ اس کی ادائیگی روحانی معراج کے مترادف ہے جس میں ڈوب کر فہم و عرفان کے پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے بعض اوقات جنون اور جذبہ اتنی بلندی کو چھونے لگتا ہے کہ ناچتے ناچتے دماغ میں خون جمنے سے رقاص کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ شاید یہی وہ مقام ہے جہاں رمز و آگہی اپنے آفاقی جلوے میں روبرو موجود ہوتی ہے کیونکہ گول دائرے سے شروع ہونے والی اجمالی حرکت رفتہ رفتہ کائنات کے مدار میں مدغم ہو جاتی ہے اور پھر ایک طاقت ور مرکز جو کہ الفا اور اومیگا یعنی اول اور آخر کی لافانی صورت میں موجود ہے ہر متحرک جسم کو اپنی کششِ ثقل کی

Scanned with CamScanner

مضبوط ڈور سے باندھ دیتا ہے"۔

میں نے لقمہ دیا "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رقص درویش دراصل قلب، روح اور اعضاء کی شاعری کا دوسرا نام ہے"۔

مولانا جلال الدین رومیؔ (1207 عیسوی تا 1273 عیسوی) کے اشعار کے انگریزی تراجم بھی ان کے پاس موجود تھے مولانا رومؔ کا ایک خوبصورت شعر سنا کر جولیاؔ کہنے لگی کہ بنسری کی لے اس لئے دل سوز ہوتی ہے کیونکہ وہ جس درخت کی شاخ سے کاٹی گئی تھی اس کا دکھ بھلا نہیں پاتی اور تمام عمر خاندان سے بچھڑنے کا غم اسے تڑپاتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں سہیلیوں نے مولانا رومؔ کا آبائی گاؤں بلخؔ دیکھنے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں کی رومانوی فضا میں سانس لے کر روحانی رویوں کی مٹھاس کو محسوس کر سکیں اور ان عوامل پر بھی غور کریں جنہوں نے ہجرت کے بعد قونیہ (ترکی) میں بھی مولانا رومؔ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

انہوں نے حافظ شیرازیؔ کے اشعار بھی سنائے عمر خیامؔ کی رباعیات کے حوالے سے فٹز جیرالڈ کا انگریزی ترجمہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔ جواباً میں نے بھی انہیں پنجاب کے رومی میاں محمد بخش (۱۸۳۰ء تا ۱۹۰۷ء) کی سیف الملوک، پنجابی کافی کے بانی شاہ حسین (۱۵۳۸ء تا ۱۵۹۹ء)، سید بلھے شاہ (۱۶۸۰ء تا ۱۷۵۸ء) اور خواجہ غلام فرید (۱۸۴۱ء تا ۱۹۰۱ء) کی کافیاں اور سید وارث شاہ (۱۷۲۲ء تا ۱۷۹۸ء) کے کلام سے چیدہ چیدہ انتخاب سنایا

حسن و عشق کی لازوال داستانوں کے کرداروں کو رومانوی علامتوں کے سانچے میں ڈھال کر کلاسیکل صوفی شعراء نے تصوف کے ابدی دریچوں پر جس سوز و گداز سے دستک دی ہے دانائی سے معمور اس عارفانہ بصیرت کو محسوس کر کے وہ عش عش کر اُٹھیں اور اس قدر

Scanned with CamScanner

زرخیز پنجابی ادب سے ابھی تک بے بہرہ رہنے پر اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہرانے لگیں۔ان کی دلچسپی دیکھتے ہوئے میں نے انہیں چند کتب مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔

ایمی اور جولیا کا ٹیکسلا میں آنے کا بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ وہ بدھ مت کے حوالے سے چند روحانی اور مقدس مقامات کی کھوج لگانا چاہتی تھیں اس کے علاوہ وہ مقامی جنگلوں میں بیٹھے صوفیوں اور سنتوں سے ملنے کی خواہش مند تھیں۔

کافی دیر ہو چکی تھی سفر کی تکان کی وجہ سے انہیں جمائیاں آنے لگیں !!ادھر مجھے بھی بھوک ستا رہی تھی چنانچہ تفصیلی ملاقات اگلے دن تک مُوخر کر دی گئی۔

اتوار کو دفتر سے چھٹی تھی، آنکھ ذرا دیر سے کھلی میں جب تیار ہو کر یوتھ ہوسٹل پہنچا تو ایمی اور جولیا بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھیں کوچوان کو میں نے شام کو ہی کہلوا دیا تھا۔خواتین نے اپنے سفری تھیلے کندھوں سے لٹکائے اور خوشی خوشی تانگے میں سوار ہو گئیں میں نے کوچوان کو ''خرم گاؤں'' چلنے کی ہدایت کی۔

''خرم'' ٹیکسلا کے انتہائی مشرقی جانب، خوبصورت پہاڑی سلسلے میں واقع ایک قدیم گاؤں کا نام ہے گاڑی وہاں پہنچنے میں بمشکل آدھا گھنٹہ لیتی ہے خرم سے ایک کچا راستہ ''دھمرا'' ندی کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے درمیان سے ہوتا ہوا ''بل'' کی جانب جا نکلتا ہے۔''بل'' ایک دلفریب اور پر فضا مقام ہے یہاں دنیا کے شور شرابے سے دور ایک درویش کئی سالوں سے سکونت پذیر ہے وہ ہمیشہ کالا لباس پہنے، جنگل میں ننگے پاؤں گھومتا نظر آتا ہے۔ پیچ دار پگڑی کے نیچے لانبے لانبے سیاہ گیسو، سانپوں کی مانند جھولتے رہتے ہیں اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے آپ میں مگن رہتا ہے۔پہلی نظر میں وہ مشہور انگریزی فلم PIRATES OF THE CARIBBEAN کے مرکزی کردار

Scanned with CamScanner

CAPTAiN JACK SPARROW کی مانند لگتا ہے۔ ہماری بھی اس سے پرانی یاد اللہ تھی۔ جب طبعیت اداس ہوتی تو اس کے چرنوں میں جا بیٹھتے۔ غیر ملکی خواتین نے جب کسی صوفی سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا، تو میرے ذہن میں اس درویش کا خیال ابھرا تھا۔ خرم پہنچ کر کوچوان نے تانگہ برگد کے سائے تلے کھڑا کر دیا اب ہمیں یہاں سے پیدل سفر کا آغاز کرنا تھا۔

اطراف کا قدرتی حسن دیکھ کر ایمی اور جولیا بہت متاثر دکھائی دیتی تھیں چشموں کا ٹھنڈا پانی، پرندے، تتلیاں اور خودرو جنگلی پھولوں کی بہتات دیکھ کر جولیا کہنے لگی ''کیا ہی اچھا ہو اگر میں یہاں سکون سے مر جاؤں اور میری قبر اس خوبصورت وادی کے گوشہ عافیت میں بنادی جائے۔ پھر میری روح بھی ان سرسبز وشاداب پہاڑوں پر طائرانہ نظریں ڈالتے ہوئے ان پرندوں کی مانند ہمیشہ ہوا میں اڑتی رہے''۔

مجھے کرشن چندر کا وہ افسانہ یاد آ گیا جو اس نے کسی ایسے ہی موقع پر تحریر کیا تھا۔ لبِ لباب کچھ یوں تھا کہ ایک نئی نویلی دلہن اپنے شوہر نامدار کے ساتھ ہنی مون منانے کسی پہاڑی مقام پر گئی اور چھوٹتے ہی اپنے محبوب سے کہنے لگی ''ہائے اللہ!! میں مر گئی۔۔۔۔! یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں یہاں کیا خاک مزا آئے گا۔۔۔ جدھر دیکھو۔۔۔۔ بس پہاڑ ہی پہاڑ ہیں''۔

میں نے اس افسانے کے تناظر میں جولیا سے کہا کہ ایک تم ہو کہ ان فطری مناظر پر فدا ہوئی جا رہی ہو دوسری جانب ہماری دیسی خواتین ہیں کہ ان راستوں پر چلنے کا سوچ کر ہی ان کی جان نکل جاتی ہے۔

میری بات سن کر وہ اتنی خوش ہوئی کہ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں کی نیلگوں جھیلوں میں

Scanned with CamScanner

آنسوؤں کے کنول تیرنے لگے شاید اس کی پرکشش ہنسی کا یہی سربستہ راز تھا۔

جب ہم پھرتے پھراتے تارک الدّنیا درویش کے ڈیرے پر پہنچے تو ایک اور مسئلہ کھڑا ہوگیا سائیں جی نے خواتین کی بھنک پا کر ان سے ملنے سے ہی صاف انکار کر دیا میں نے جب انہیں قائل کرنے کی کوشش کی تو وہ سیخ پا ہو گئے اور بے نقط سنائیں۔۔۔۔۔وہ کسی طور بھی اپنے وضع کردہ اصولوں سے پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں تھے۔

ایمی اور جولیا خاصی مایوس دکھائی دیتی تھیں ان کی رائے میں موصوف ابھی تصوف کے پیچیدہ مراحل سے گزر رہے تھے یا پھر جس سلسلے یا مکتبِ فکر سے وابستہ تھے اس کا طریق کچھ ایسے ہی افعال کا متقاضی تھا۔ میں نے جولیا سے مزید استفسار مناسب نہ سمجھا شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کیونکہ مشرقی فلسفے پر اسے خاصا عبور حاصل تھا اور تصوف کی باریک بینیاں بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔

ہم تھکے ہارے شام گئے واپس لوٹ آئے۔

ٹیکسلا کے شمال مشرقی جانب دریائے ہرو کے کنارے ایک ابھری ہوئی ہموار چٹان پر بھالا کا مشہور اسٹوپ ایستادہ ہے۔ شاہراہِ ریشم کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے کبھی تجارتی قافلوں اور بدھ مبلغوں کا پہلا پڑاؤ یہیں ہوا کرتا تھا تبت، کوریا اور جاپان میں بدھ مت پھیلانے والے اکثر استاد اور بھکشو اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ اس دریا کے آس پاس کبھی ہیلینیائی طرز کا شہر اور اسٹوپے آباد تھے اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دریا کا نام غالباً کسی یونانی سپہ سالار یا مشہور تاریخ دان ہیروڈوٹس (484-425 BC) کی مناسبت سے ہیرو پڑ گیا ہو کچھ مسلمان تاریخ دانوں نے دریائے ہیرو کو نیلاب (نیلا آب) کے نام سے بھی تحریر کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

ایمی اور جولیا کا ٹیکسلا میں قیام نہایت مختصر تھا ویزے کی مدت ختم ہونے میں محض تین دن باقی تھے ان کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو بھمالا کی سیر کر لی جائے۔

چنانچہ اگلے روز ہم پھر اکٹھے ہوئے اور بھمالا جانے کیلئے خان پور والی بس میں سوار ہو گئے۔ بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی غیر ملکی مہمان خواتین کو دیکھتے ہی نشستیں خالی کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ مسافروں نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور مجھے مترجم سے زیادہ ثالث کے فرائض انجام دینے پڑے۔

بس نے ہمیں خان پور ڈیم کی وسیع و عریض جھیل کے پرلے کنارے پر اتار دیا۔

میں نے حبیب کو پہلے سے ہی اطلاع کر دی تھی وہ کھانا وغیرہ بنوا کر لے آیا حبیب خان پور کا رہنے والا پرعزم نوجوان ہے ہم دونوں گذشتہ کئی سالوں سے ایک ہی دفتر میں ملازم ہیں۔ بھمالا کا راستہ اس کے گاؤں سے ہو کر جاتا تھا وہ اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا اس کا ساتھ ہمارے لئے نہایت مدد و معاون ثابت ہوا۔

تمام راستہ جھیل اور پہاڑ کی اتصالی پٹی کے ساتھ ساتھ چلتا تھا جو کہ گذشتہ مان سون کی بارشوں کی وجہ سے خاصا سنگلاخ اور دشوار گزار ہو چکا تھا اس لئے بھمالا تک جیپ میں سفر کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس تمام صورتِ حال کے پیش نظر حبیب نے کشتی کا بندوبست بھی کر رکھا تھا چنانچہ ہم اللہ کا نام لے کر اس میں سوار ہو گئے۔

خان پور جھیل سے آگے نکلے تو دریا کا پاٹ کم ہو گیا ملاح نے ہمیں ایک جگہ اتار دیا۔ باقی راستہ پیدل چل کر طے کرنا تھا ایک موڑ مڑے تو مٹی اور گارے سے لیپے پوتے چند مکانات پر نظر پڑی حبیب نے بتایا کہ یہی بھمالا گاؤں ہے۔

Scanned with CamScanner

سامنے ایک اونچا سا پہاڑی ٹیلا تھا جس کے ایک جانب بھاری پتھروں کی تراشی ہوئی خستہ حال سیڑھیاں اوپر جاتی نظر آئیں زینوں پر جنگلی جڑی بوٹیاں حشرات الارض کی مانند رینگ رہی تھیں۔ میں ذرا ستانے کے لئے رکا مگر خواتین اوپر جانے کیلئے بے چین تھیں مجبوراً ہمیں بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔

جونہی آخری سیڑھی پر قدم رکھا ہم سب ٹھٹھک کر وہیں رک گئے۔

اوپر کا منظر کسی سہانے خواب کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ تین اطراف میں دریائے ہرو کا صاف وشفاف پانی بل کھاتا ہوا جا رہا تھا اور ہوا میں تیرتے ہوئے بگلے اور سیگل اچک اچک کر مچھلیاں پکڑنے میں مگن تھے جبکہ ٹیلے کی چوتھی سمت سرسبز وشاداب پہاڑ آسمان سے باتیں کرتا دکھائی دیتا تھا اور بیچ میں دلکش بدھ اسٹوپ دیکھ کر یوں لگا جیسے ابھی ابھی کوئی اڑن طشتری فضاء سے اڑتی ہوئی اس چٹان پر آ کر اتری تھی۔

جولیا ابھی تک مبہوت کھڑی تھی۔ میں نے اسے ٹہوکا دیا ''کیا تم بھی حضرت لوطؑ کی بیوی کی طرح پیچھے مڑ کر دیکھنے کی پاداش میں پتھر کی بن گئی ہو۔۔۔۔ آگے بڑھو!! ایسے دلفریب مناظر تو ٹیکسلا میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں''۔ اس نے آہستہ آہستہ سر گھماتے ہوئے میرے سمت یوں دیکھا جیسے میں نے آفاقی اور ابدی خاموشی میں کسی گستاخی کا ارتکاب کیا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر اسٹوپ سے متصل محکمہ آثارِ قدیمہ کا ایستادہ تعارفی بورڈ با آواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔

یہ خانقاہ چوتھی سے پانچویں صدی عیسوی تک آباد رہی تھی دفاعی نقطۂ نظر سے نہایت محفوظ مقام پر تعمیر عمل میں لائی گئی تھی آبادی سے دور واقع ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں کی

Scanned with CamScanner

آمد کی خبر بروقت مل جاتی تھی اور امن پسند بھکشو پہاڑوں پر چڑھ کر روپوش ہو جاتے اور جب شہر میں دوبارہ سکون ہو جاتا تو یہ لوگ بھی واپس لوٹ آتے یہ خانقاہ کشان دور میں تعمیر کے مراحل سے گزری درمیان میں بڑا اسٹوپ ہے جسے انیس منتی اسٹوپوں کی کہکشاں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اسٹوپ کو چوکور شکل کی اونچی کرسی پر بنایا گیا ہے باہر کی جانب لپکتی ہوئی سیڑھیاں پتھروں کے مضبوط جنگلے سمیت اس کے چاروں اطراف سے اوپر چڑھتی ہیں ان کے استقبالیہ پر کبھی مشرقی اور مغربی سمتوں میں شیروں کے جوڑے اور شمالی جنوبی طرف دو، دو ہاتھی ایستادہ تھے پتھر کے بنے ہوئے یہ خونخوار جانور اسٹوپ کی حفاظت پر تعینات ہوتے تھے۔ دیواریں بڑے بڑے پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں جن کے بیچ میں سنگ ریزے اور پتھروں کے شکل دار قتلے چونے کے مسالے میں مضبوطی سے پھنسے ہوئے تھے چورس کورنتھی ستون اور آرائشی کنگرے کنجور کے نرم پتھروں کو تراش خراش کر جوڑ دیئے گئے تھے ان پر چونے کی استر کاری کر کے برگ و پیچاں کو ابھارا گیا تھا یہ ستون اسٹوپ کے چاروں اضلاع کو برابر خانوں میں تقسیم کرتے تھے جن میں مہاتما گوتم بدھ کی زندگی کے مختلف ادوار کو مورتیوں کی شکل میں ابھارا گیا تھا۔ چاروں کونوں میں شیر کے سروں والے دیوار گیر جڑے تھے۔ چورس کرسی کے اوپر گول ڈھیر تھا جس کے اردگرد بھی چونا گچ کے مجسمے بنے تھے۔ اسٹوپ کے اوپر بتدریج کم ہوتے ہوئے قطر کے مرصع چھتر ے آویزاں تھے جو کبھی دور سے کیا خوب نظارہ پیش کرتے ہونگے۔

خطۂ گندھارا میں اینٹ کا استعمال ٹیکسلا سے شروع ہوا سب سے پہلے سیتھی عہد (پہلی صدی ق م) میں سرکپ میں فرشی اینٹیں متعارف ہوئیں اسی طرح بھمالا اسٹوپ کے صحن میں بھی پختہ مٹی اور شیشے کی اینٹوں کا فرش بچھایا گیا تھا مشرقی سمت میں دھرم چکر کی شکل میں

Scanned with CamScanner

اینٹیں نصب تھیں جبکہ صدر دروازے کے شمالی جانب فرشی اینٹوں پر سواستیکا، کنول کے پھول، دائرے، پیپل کے پتے، صلیب اور ہم مرکز دائروں کی مختلف اشکال بنائی گئی تھیں۔

چوکور طرز کی خانقاہ پچیس کمروں پر مشتمل تھی بیچ میں وسیع برآمدہ اور کھلا صحن تھا جس کے وسط میں بڑا حوض اور ایک کونے میں غسل خانہ تعمیر کیا گیا تھا۔ پچھلی جانب دیوان مجلس، باورچی خانہ اور طعام گاہ تھی۔ چھت بارہ فٹ اونچی تھی دوسری منزل پر بھی غالباً اتنے ہی کمرے تھے جن کی سیڑھیاں رسوئی سے اوپر جاتی تھیں کمروں میں روشندان اور طاقچے بھی تھے۔ دیواروں پر گارے کی استر کاری کی گئی تھی برآمدوں کے ستون، چھت اور شہتیر تمام لکڑی کے تھے اس کے علاوہ دور تک نظر رکھنے کیلئے دو عدد ڈھول مینار بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

یہاں سے کشان حکمرانوں بچا رانا، ہاوسکا، ویسودیوا اور ساسانی دور کے سونے، چاندی اور تانبے کے سکے برآمد ہوئے اسکے علاوہ سفید ہنوں کے سکے بھی ایک جلے ہوئے دروازے کے قریب پڑے ملے تھے جو یقیناً ان کی سفاکانہ کاروائیوں کے چشم دید گواہ ہیں۔

بالائی پہاڑ کے پہلو میں گیان دھیان کی منزلیں طے کرنے کے لیے ایک پرانی غار بھی موجود تھی جس میں اترنے کے لیے پتھروں کو تراش کر زینہ بنایا گیا تھا۔

اسٹوپ کا مضافات بھی دیدہ زیب مناظر پر مشتمل تھا جدھر نگاہ اٹھتی اونچے اونچے پہاڑوں پر زیتون کے درخت دکھائی دیتے۔ ٹاویں ٹاویں پیپل کے پیڑ بھی دعوتِ نظارہ دے رہے تھے سائبیریا سے آنے والے مہاجر پرندے (Wood Pigeons & Green Pigeons) بھی سردیاں گزارنے آچکے تھے کوے اور گلہریاں برگد اور سنبل کے پیڑوں پر آنکھ مچولی کھیلنے میں مگن تھیں۔ پہاڑ کے دامن میں سرسوں کے سنہرے کھیت چیری کے کھلے ہوئے پھولوں کی طرح، سرسراتی ہوئی ہوا میں جھوم رہے تھے۔ رنگ برنگے

Scanned with CamScanner

پروں والی تتلیاں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے بسنت میں پتنگوں کی بہار آ گئی ہو۔ خودرو جنگلی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ الغرض فطرت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کچھ ایسے جوبن پر تھی کہ جس کی ہوش ربا مستی پر پورا جنگل رقص کر رہا تھا۔

جولیا اسٹوپ کے ساتھ پشت ٹکائے یوگ آسن میں بیٹھی تھی وہ آنکھیں موندے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ ایمی خانقاہ کی شکستہ دیوار پر ٹانگیں لٹکائے کوئی انگریزی دھن گنگنا رہی تھی اس کے پاؤں حرکت میں تھے اور انگلیاں بے خودی میں تھرتھرا رہی تھیں۔

پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیوں کی وجہ سے سورج جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا پرندے گھونسلوں کو پلٹ رہے تھے کوے اور بگلے بھی واپسی کیلئے اڑانیں بھر رہے تھے۔ اکا دکا گھروں سے دھواں بلند ہونے لگا تھا۔

ادھر جولیا بضد تھی کہ رات وہیں بسر کی جائے وہ چاندنی رات کا بھرپور لطف لینا چاہتی تھی حبیب نے آگاہ کیا کہ یہ علاقہ جنگلی سوروں کی آماجگاہ ہے بھیڑیے بھی رات کو جتھوں کی شکل میں نکلتے ہیں اور بھیڑ بکریاں اٹھا لے جاتے ہیں۔ گیدڑ بھی مچھلیوں سے پیٹ بھرنے دریا کی جانب آ نکلتے ہیں یہ جنگلی درندے انسانوں پر حملہ آور تو نہیں ہوتے لیکن پھر بھی ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

ان سب باتوں کا جولیا پر کچھ اثر نہ ہوا وہ تو زیادہ سے زیادہ وقت وہیں گزارنے کا پہلے سے ہی عزم کر چکی تھی۔

ہم نے اِدھر اُدھر سے لکڑیاں اکٹھی کیں تا کہ سردی سے بچنے کیلئے آگ کا بندوبست کیا جا سکے دیہاتیوں نے مکئی کے بھٹے لا دیئے اور دودھ بھی مہیا کر دیا ہم نے ٹھنڈ کا اثر کم کرنے

Scanned with CamScanner

کیلئے چائے تیار کی اس دوران چاند بھی پوری آب و تاب سے نمودار ہو گیا اور آس پاس چمگادڑیں منڈلانے لگیں۔ اتنا روشن، منور اور مکمل چاند دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہاں قریب ہی کہیں چاند نگر ہے جہاں سے ابھی ابھی مہتاب چہل قدمی کرتا ہوا نکل آیا ہے۔

میں نے جولیا اور ایمی سے پوچھا کہ کیا انہیں اس ویرانے میں ڈر نہیں محسوس ہوتا۔ اگر کوئی جنگلی جانور ہی انہیں اٹھا کر چلتا بنا تو پھر کیا ہوگا۔۔۔؟؟

ایمی مسکراتے ہوئے کہنے لگی ''ہمارا تعلق امریکی ریاست کیلیفورنیا کے مشہور شہر لاس اینجلس سے ہے یہ شاید Lost Angels کا مخفف ہے سنا ہے کہ کسی زمانے میں آسمان سے فرشتے اتر آئے تھے جو زمین کی رنگین بھول بھلیوں میں گم ہو گئے اسی مناسبت سے یہ شہر لاس اینجلس کہلاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ہم بھی ٹیکسلا میں کہیں بھٹک گئیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہاں بھی کبھی دو فرشتے آئے تھے اور پھر ان کی کوئی خبر نہ ملی یوں بھمالا بھی ٹیکسلا کا لاس اینجلس مشہور ہو جائے گا''۔

جولیا اور ایمی نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔

ہنستے ہنستے جولیا ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہنے لگی ''کوئی میرے دل سے پوچھے۔۔ٹیکسلا تو لاس اینجلس سے بھی کئی درجے حسین ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے ہجرت کرتے وقت کہا تھا کہ اگر میں یروشلم کو بھول جاؤں تو میرا داہنا ہاتھ ہنر بھول جائے۔ یقیناً میں بھی زندگی بھر ٹیکسلا کو بھلا نہ سکوں گی۔ جب بھی اپنے وطن میں طلوعِ مہتاب کا منظر دیکھوں گی تو مجھے یہ خطہ بہت یاد آئے گا اور میں مغرب کے رہنے والوں کو بتاؤں گی کہ یہ خوبصورت چاند ٹیکسلا کی مقدس سرزمین سے نکلتا ہے یہاں سے واپس جا کر میری حالت بھی ان فلسطینیوں کی طرح ہوگی جو

Scanned with CamScanner

بیت المقدس پر کلدانی بادشاہ بخت نصر کے قبضے (586ق م) کے بعد قیدی بنا کر بابل (عراق) لائے گئے وہ اکثر اپنے وطن کو یاد کر کے روتے اس سانحے کی کسی نامعلوم شاعر نے کیا خوب تصویر کشی کی ہے۔

By the waters of babylon,

there was sat down and wept,

when we remembered Zion.

رات دیر تک ہم لوگ آگ کے اردگرد بیٹھے باتیں کرتے رہے حبیبؔ نے آتش ٹھنڈی نہ پڑنے دی وہ مسلسل لکڑیاں جھونکتا رہا ایمیؔ معصوم بچے کی طرح انگاروں کی پھلجھڑیاں بنا بنا کر اڑاتی رہی جولیاؔ گرم شال میں لپٹی حسبِ معمول کچھ لکھنے میں مشغول تھی جب سردی نے زور پکڑا تو ہم نیچے اتر آئے آثارِ قدیمہ کی دیکھ بھال پر مامور سرکاری چوکیدار کا گھر گاؤں کے شروع ہی میں تھا اس نے ہماری رہائش کا انتظام کر رکھا تھا۔ خواتین اندر زنانے میں چلی گئیں اور ہم برآمدے میں دھری چارپائیوں پر ڈھیر ہو گئے۔

نیند مجھ سے کوسوں دور تھی!!۔۔

یہ سوچ کر میرا سر ندامت سے جھکتا جا رہا تھا کہ بدیسی لوگ ٹیکسلا کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر جان چھڑکتے ہیں مقالے لکھتے ہیں اور دنیا بھر میں اس پر تحقیقی کام کیا جا رہا ہے۔ ادھر ہم لوگ اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ٹیکسلا کے ماحولیات کی حفاظت کرنے کی بجائے اس کا فطرتی حسن تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں مقامی پہاڑوں پر جا بجا سینکڑوں مشینیں نصب ہیں جو دن رات پتھر کاٹنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ جنگلوں کی حالتِ زار بھی خطرناک حد تک بگڑتی جا رہی ہے درخت مسلسل کٹ رہے ہیں کوئی پرسانِ حال نہیں۔

Scanned with CamScanner

پہاڑوں پر جنگلات اکثر آگ کی زد میں رہتے ہیں جنگلی حیات بھی متاثر ہو رہی ہے۔اس کے علاوہ مضافاتی فیکٹریوں سے آنے والے زہریلے مادوں کے اخراج نے ندی نالوں کو آلودہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

ان حالات میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ زمانے کے یہ جدید سفید ہُن گندھارا تہذیب کے عظیم میٹروپولس ٹیکسلا کے فطرتی حسن کو تباہ و برباد کرنے میں ماضی کے ظالم حملہ آوروں کو بھی مات دے گئے ہیں۔کیا آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں ان دانستہ کوتاہیوں کے مرتکب ہونے پر کبھی معاف کریں گی؟؟

خدا جانے میں کب تک یونہی عالمِ خود فراموشی میں آنکھیں موندے رہتا کہ موذّن کی گونج دار آواز نے میرا تصوراتی طلسم توڑ دیا۔

ہمیشہ کی طرح ایک چمکیلی اور روشن صبح، دہلیز پر منتظر تھی اور تاروں بھری رات ایک خوبصورت دھاریوں والے پھرتیلے چیتے کی طرح گھنے جنگل میں روپوش ہو چکی تھی۔۔۔۔!!!

Scanned with CamScanner

دھرم راجا کے اسٹوپ کا جن

Scanned with CamScanner

گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔۔۔فراغت کی وجہ سے بچے ضد کر رہے تھے کہ سیر و تفریح کی غرض سے کہیں نکلا جائے میں نے جان چھڑانے کیلئے حامی بھر تو لی مگر اب لڑکے بالے ایفائے عہد کیلئے مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے بالا آخر ایک تفریحی مقام کا انتخاب کیا گیا اور سب نے مل کر جوش و خروش سے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اتفاق سے جس روز ہم نکلنے کا قصد کر رہے تھے راولپنڈی سے ہمشیرہ اپنے بال بچوں سمیت تشریف لے آئیں اور ہمارا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ بچے اپنے ہم جنسوں میں گھل مل گئے مگر انہیں پروگرام ملتوی ہونے کا برابر قلق رہا۔ دوپہر کے قریب ان کے دبے ہوئے جذبات نے پھر سر اٹھایا۔ میں نے وقت کی کمی کا رونا رویا مگر وہ شیطان کچھ ماننے کو تیار ہی نہ تھے چنانچہ یہ طے پایا کہ چند کوس دور بہنے والی ''دھمرا'' نامی ندی پر جا کر مچھلیاں پکڑی جائیں گی اور رات کے کھانے کا اہتمام بھی وہیں ہوگا۔۔۔ حیدر، رضا، سلیمان، ابراہیم اور زہیب دیگر اسباب کے علاوہ مچھلیاں پکڑنے والے ساز و سامان سے بھی لیس ہو کر آ گئے اور ہم اللہ کا نام

Scanned with CamScanner

لے کر نکل کھڑے ہوئے۔

سرزمین ٹیکسلا جسے قدیم تاریخ کا ایک اوپن ائیر میوزیم بھی کہا جا سکتا ہے اس کے شمال مشرقی پہاڑی سلسلے میں دھرماراجیکا اسٹوپ واقع ہے یہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے قدیم خیال کیا جاتا ہے اسے خاندانِ موریہ کے مشہور حکمران مہاراجہ اشوک نے تیسری صدی قبل مسیح میں تعمیر کرایا اور اس میں مہاتما گوتم بدھ کے جسمانی تبرکات بھی دفن کیے۔اس اسٹوپ کی ساخت میں ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک گول چکر پر محیط ہے۔جس میں سے مختلف دیواریں برابر قطر میں مرکز کی جانب اندرونی چھوٹے دائرہ نما دیوار کو جا کر ملتی ہیں جس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بدھ مت کے مشہور نشان ''دھرم چکر'' کی ابتدائی شکل ہے۔

اس اسٹوپ کے پہلو سے بل کھاتی ہوئی ایک ندی گزرتی ہے جو ''دھمرا'' کہلاتی ہے یہ ندی مشرقی پہاڑوں سے بہہ کر آنے والے قدرتی چشموں سے وجود میں آتی ہے غالباً اس کا اصل نام مشہور اسٹوپ کے حوالے سے ''دھرما'' تھا جسے حوادثِ زمانہ نے ''دھمرا'' میں تبدیل کر دیا یونانی تاریخ دانوں نے اس کا نام ''ٹائبرونابو'' تحریر کیا ہے۔ندی کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے بلند و بالا درختوں کا جنگل ہے جو کہ مختلف آبی پرندوں کا جائے مسکن بن چکا ہے خصوصاً خاکستری، سفید اور سنہری رنگوں کے بگلے نہ جانے کہاں سے آ کر یہاں آباد ہو گئے ہیں یہ پرندے ''دھمرا'' کے نیلگوں پانی کے آس پاس ہی منڈلاتے رہتے ہیں اس ندی میں مختلف اقسام کی بے شمار مچھلیاں بھی پائی جاتی ہیں جنہیں گردونواح کے لوگ شوق سے پکڑتے ہیں چنانچہ ہم بھی شکار کی نیت سے بچوں کی فوج ظفر موج کے ساتھ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔

آج خلافِ معمول ندی چڑھی ہوئی تھی ہوا بھی تیز چل رہی تھی مگر شکر ہے کہ آسمان

Scanned with CamScanner

صاف تھا سرکنڈے صاف کر کے خیمہ گاڑ دیا گیا بچوں نے جلدی جلدی بنسیاں اور کانٹے سیدھے کیے اور کھینچ تان کر ڈوریں پانی میں ڈال دیں۔۔۔بعض جگہوں پر پانی گہرا بھی تھا میں نے انہیں محتاط رہنے کی ہدایت کی اور خود گھومتا ہوا پہاڑی کے اوپر چلا آیا جہاں سامنے ہی عجوبہء روزگار دھرماراجیکا اسٹوپ چھن چھن کرتی چاندنی میں چاروں طرف اپنے جمال کا جادو بکھیر رہا تھا۔ میں پچھلی جانب سے ہوتا ہوا چوکیدار کی رہائش گاہ کی جانب جا نکلا باہر چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ اور موصوف حقے سے شوق فرما رہے تھے۔

گذشتہ کئی سالوں سے یہ میرا معمول تھا کہ جب بھی شکار کی غرض سے وہاں جانا ہوا تو اسٹوپ دیکھنے اوپر تک چلا آتا۔ ویسے بھی مجھے گندھارا تہذیب جاننے کا بہت شوق ہے یوں جہاں تسکین روح کا سامان ہوتا وہاں سیر بھی ہو جاتی۔ محکمہء آثارِ قدیمہ سے تعلق رکھنے والے تقریباً تمام ملازمین سے میری پُرانی یاد اللہ تھی چنانچہ ادھر جونہی رمضان چوکیدار نے مجھے اپنی جانب آتے دیکھا تو چارپائی خالی کر دی تکیہ درست کیا اور مجھے ستانے کا کہہ کر خود چائے بنانے اندر چلا گیا۔

میں لیٹے ہوئے دور آسمانوں میں نظریں ٹکائے سوچ رہا تھا کہ وہ بھی کیا دن ہوں گے جب یہ علاقے آباد تھے سادھوؤں اور بھکشوؤں کا رش تھا۔ دور دور سے یاتری اور طلباء علم کی پیاس بجھانے آتے تھے اور گندھارا تہذیب کا میٹروپولس، مقدس ٹیکسلا اپنی عروج کی حدوں کو چھو رہا تھا یہاں چھٹی صدی قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک بالترتیب اخمنی، یونانی، موریہ، باختری یونانی، سیتھین، پارتھی، کشان، ساسانی اور کیدار کشان خاندان حکمران رہے اور اس شہر کی اہمیت اور شہرت روز بروز بڑھتی ہی رہی۔ پھر نہ جانے کس کی نظر لگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے وسطِ ایشیاء سے سفید ہُنوں کا سیلاب آیا اور انہوں نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ شاندار عمارتیں مسمار کر دیں، عبادت گاہیں جلا ڈالیں اور

Scanned with CamScanner

امن پسند بھکشوؤں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس خون ریزی کے بعد یہ شہر گل رنگ صدیوں تک غیر آباد رہا اور اس کے عروج کی داستان محض قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔

خدا جانے میں کب تک اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتا کہ اچانک کچھ شور سا سنائی دیا میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو تمام بچے سرپٹ بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ وہ گیدڑوں کا پیچھا کرنے والے جنگلی سؤروں کے غول سے ڈر گئے تھے۔ میں نے انہیں تسلی دے کر پاس بٹھایا اس دوران چوکیدار چائے بنا کر لے آیا۔

چٹکی ہوئی چاندنی دیکھ کر میرا جی اسٹوپ کی سیر کو مچل رہا تھا۔ میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار رمضان سے کیا تو ایک انجانے خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں مجھے سرگوشیانہ لہجے میں سمجھانے لگا کہ آج پورن ماشی کی رات ہے اور بیساکھ کے اس مہینے میں وہاں جانا کسی طور خطرے سے خالی نہیں ہوتا میں نے خود وہاں کئی بار عجیب و غریب آوازیں سنی ہیں اور ہیولے گھومتے دیکھے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کوئی بھوت پریت ہیں جو یہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ وہاں جانے کا نام ہی نہ لیا جائے۔

میں ان دقیانوسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا اور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ان پڑھ اور کم پڑھے لکھے لوگ ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے از خود ہی طرح طرح کی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے بچوں کو ہمراہ لیا اور چوکیدار کے منع کرنے کے باوجود کشاں کشاں اسٹوپ کی جانب ہو لیا۔

سلیقے سے تراشی ہوئی گھاس میں صاف ستھری روشیں سانپوں کی طرح بل کھاتی ہوئی جا رہی تھیں، ستانے کیلئے جا بجا چوبی بینچ بھی نصب تھے ارد گرد پھیلے چھوٹے اسٹوپوں اور مہاتما بدھ کے مجسموں کی مرمت کر دی گئی تھی اس قیمتی ورثے کو محفوظ کرنے کا کام حکومت کے تعاون سے مکمل کیا جا رہا تھا۔ ہم لوگ یہی باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے میں

Scanned with CamScanner

بچوں کو تاریخی حقائق سے آگاہ کر رہا تھا اور وہ بھی بے تکے سوالات داغ رہے تھے۔

اسٹوپ کے شرقی غربی اور شمالاً جنوباً سمتوں میں قدِ آدم چبوترے پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تعمیر کی گئی ہیں کبھی اس چبوترے کو شیشے کی خوبصورت ٹائلوں سے مزیّن کیا گیا تھا جس پر بھکشو ڈھچر کے اردگرد طواف کرتے تھے۔ جونہی ہمارا قافلہ ان مشرقی سیڑھیوں کے قریب پہنچا یکا یک تمام ماحول روشنیوں میں نہا گیا اور ہم ششدر کھڑے رہ گئے یوں لگا جیسے ہم کئی صدیاں قبل کے زمانے میں آ گئے ہیں۔۔!! ہمارے سامنے کی سیڑھیوں کے دائیں بائیں پتھروں کے تراشے ہوئے گول لاٹ ایستادہ تھے جن کے اوپر دو خوفناک شیروں کے مجسمے صاف نظر آ رہے تھے انہیں دیکھ کر یوں گماں ہوتا تھا جیسے وہ اسٹوپ کی حفاظت پر مامور ہیں سیڑھیوں کی ایک جانب زعفرانی لباس میں ملبوس ایک سادھو خاموش کھڑا تھا اس کا سر بالوں سے خالی تھا اور ہاتھ میں خودرو جنگلی پھولوں کے گجرے تھے ہمیں دیکھتے ہی وہ ننگے پاؤں ہی آگے بڑھا اور ایک ایک کر کے تمام ہار ہماری گردنوں میں ڈال دیئے۔

ہمیں حیرت سے گنگ کھڑا دیکھ کر وہ مخاطب ہو کر کہنے لگا ''گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں آپ ہمارے معزز مہمان ہیں اور آپ کے آنے کی اطلاع ہمیں پہلے ہی مل چکی تھی میں بطور گائیڈ آپ کی خدمت کی بجا آوری کیلئے ساتھ رہوں گا۔ اور آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ آج ایک مذہبی تہوار منایا جا رہا ہے جس میں شرکت کیلئے دنیا بھر سے بُدھسٹ یاتری یہاں تشریف لائے ہیں''۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟۔۔ اور چشمِ زدن میں وقت کی طنابیں کس نے پیچھے کی سمت کھینچ لی ہیں۔۔۔۔؟ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بچوں کو خاموش رہنے کی تلقین کی اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے ہم اجنبی میزبان کے پیچھے

Scanned with CamScanner

پیچھے چلنے لگے۔

کچھ عجیب سماں تھا ان گنت سادھو زعفرانی اور ارغوانی چادروں میں لپٹے اسٹوپ کے گرد گھومتے ہوئے اشلوک پڑھ رہے تھے ''ہے بدھا، ہے دھرما، ہے سنگھا'' کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہو رہی تھیں وہ لوگ ہماری آمد سے بے خبر کسی روحانی اور انجانے کیف و مستی سے سرشار دکھائی دیتے تھے۔ بھکشوؤں نے اپنے سروں کو منڈوا رکھا تھا اور پاؤں سے بھی ننگے تھے۔ وہ اسٹوپ کو اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر طواف کر رہے تھے۔ کچھ بھکشو چکر مکمل کر کے باہر نکل رہے تھے اور نئے آنے والے طواف کرنے والوں کی بھیڑ میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ گائیڈ ہولے ہولے ہمیں بتا رہا تھا کہ زعفرانی چادروں میں ملبوس بھکشو، ہندوستان اور مشرقِ بعید کے ممالک سے آئے ہیں جبکہ سرخی مائل لباس والے جو گی لاما کے ملک تبت سے تعلق رکھتے ہیں مہایانا بدھ مت کی شاخ تانترک ازم کے پیروکار ہیں۔ وہ ''اوم مانی پدمی ہوم'' کا ورد الاپ رہے تھے جس کا مطلب ہے کہ ''اوم-- کنول کے پھول کا قیمتی ہیرا-- ہوم ہے''۔ دراصل بدھ مذہب دو بڑے فرقوں پر مشتمل ہے ہنایانا قدیم فرقہ ہے جبکہ مہایانا نئے تخیلات کے نتیجے میں عمل میں آیا اور اس کا مقصود انفرادی عرفان کے برعکس اجتماعی فلاح ہے۔۔۔۔۔ وہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر میری نظریں تو اسٹوپ کے گرد گھومتے ہوئے اس کی بیرونی دیواروں پر ٹکی ہوئی تھیں جہاں دندانے دار آرائشی ڈائیں اور دیوار گیر، ہندو آرٹ کے اعلیٰ نمونے پیش کر رہے تھے۔ ان کے نیچے یونانی طرزِ تعمیر کے شاہکار کورنتھین ستونوں کے درمیان سہ قطری چڑھاؤ دار محرابیں بنی تھیں جن میں مہاتما بدھ کے مجسموں کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا پتھر اور چونے کے ان بتوں میں تبلیغ اور حالت مراقبہ کے مختلف انداز دکھائے گئے تھے۔ مجسموں کے سامنے پھل، پھول اور نذرانوں کی مختلف سوغاتیں بھی دھری تھیں۔ بیچ بیچ میں برابر فاصلوں پر طاقچے بنے تھے ان میں چراغ روشن

Scanned with CamScanner

تھے۔طواف والے راستے کے دوسری جانب متوازی لائن میں مندر اور منتی اسٹوپوں کی ایک کہکشاں آباد تھی جن پر ٹھوس گول گنبد اور ان کے اوپر بتدریج اندر کی جانب سکڑتی ہوئی پتھریلی چھتریاں خوب جچ رہی تھیں سب سے اوپر نوکدار کلس نکھری ہوئی چاندنی میں چم چم کر رہے تھے۔بعض منتی اسٹوپوں کے زیریں چبوترے گول تھے مگر یونانی طرزِ تعمیر کے زیرِ اثر مربع نما کرسیوں والے اسٹوپے بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔مغربی جانب ہشت پہلو والی عبادت گاہ بھی خوب سجی ہوئی تھی مجھے تو ذوق وشوق کی وجہ سے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا مگر بچوں میں تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے میزبان نے بھی اس بات کو بھانپ لیا تھا سات چکر مکمل ہوتے ہی وہ ہمیں باہر لے آیا جبکہ باقی عقیدت مند ابھی تین، سات، چودہ یا ایک سو آٹھ پھیروں میں الجھے ہوئے تھے ادھر ہم گائیڈ کی شخصیت کے سحر میں اس قدر گرفتار تھے کہ باتوں باتوں میں خبر ہی نہ ہوئی اور سیدھے دھرماراجیکا کے اسٹوپ کے مشرق میں واقع بھکشوؤں کی خانقاہ میں جا پہنچے۔گائیڈ بتا رہا تھا کہ ''آوارہ بھکشو آبادیوں سے دور باغات اور درختوں کے جھنڈ میں رہائش اختیار کر لیتے تھے اس غرض سے وہاں ایک عمارت تعمیر کی جاتی جو عموماً ہال نما کمرہ، راہداری اور گودام پر مشتمل ہوتی وہاں مہاتما گوتم بدھ کے ارشادات سے مستفیض ہونے کیلئے سادھو لوگ اکٹھے ہوتے وہ دن کو اپنی انا کچلنے کے لیے قصبوں میں چلتے پھرتے، بھیک مانگتے، دُکھ بھوگتے جنگلوں میں کٹھن تپسیا سے گزرتے پھر جب برسات کا موسم آتا تو ان خانقاہوں میں لوٹ آتے تاکہ حشرات الارض ان کے پاؤں تلے آکر جان سے نہ ہاتھ دھو بیٹھیں یہاں شور شرابے سے دور، بھکشو لافانی اور ابدی حیات کے فلسفے پر بحث مباحثے کرتے اور نروان حاصل کرنے کے سر بستہ رازوں سے پردہ اٹھایا جاتا''۔

میزبان نے طول وعرض میں پھیلی ہوئی عمارت پر طائرانہ نظر ڈالی اور گفتگو کا سلسلہ

Scanned with CamScanner

دوبارہ جوڑتے ہوئے کہنے لگا!!!۔

''بھکشوؤں کے یہ مسکن ''سنگھ آرام'' کہلاتے تھے بعد ازاں پہلی صدی عیسوی کے لگ بھگ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کیلئے شمالی علاقوں خصوصاً ٹیکسلا میں مضبوط دیواروں والی قلعہ نما خانقاہیں وجود میں آئیں۔ دھرماراجیکا کے استوپ کی یہ خانقاہ جسے آپ دیکھ رہے ہیں فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اسے کسی ماہر فن تعمیر نے بطورِ خاص اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ چاروں طرف ایک خوبصورت تناسب سے کمرے بنائے گئے ہیں آگے کی جانب متوازی الاضلاع میں کمروں کے سامنے برآمدہ اور بیچ صحن میں پانی کا بڑا تالاب ہے جس کے صاف پانی میں جھلملاتے ستاروں کی جھلک واضح نظر آرہی ہے اور کناروں پر بیٹھے بھکشو ہاتھ پاؤں دھو رہے ہیں وہ کونے میں غسل خانہ ہے جہاں پوتر اشنان کیا جاتا ہے باہر طاقچوں میں گوتم بدھ کے مجسمے رکھے ہیں اور کمروں کے اندر ایسے ہی طاق چراغ رکھنے کے کام آتے ہیں''۔

میں نے اوپر نگاہ دوڑائی اونچی اونچی چھتوں کو لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں سے جوڑ کر بنایا گیا تھا تمام دروازے مضبوط لکڑی کے بنے تھے۔ دیواریں بھی خاصی چوڑی تھیں جو وزنی پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں بیچ میں نیم مصفّا قتلے اس طرح ترتیب سے جوڑے گئے تھے کہ ہر روہ ایک دوسرے میں مضبوطی سے پھنسا ہوا تھا۔ ڈیوڑھی کے علاوہ انیس کمرے تھے اور بالائی منزل بھی اتنے ہی کمروں پر مشتمل تھی۔

میزبان ہمیں گھماتا ہوا کچن سے متصل کھانے کے کمرے میں لے آیا جہاں ہمارے سامنے دودھ اور شہد چن دیا گیا۔ بھوجن میں مختلف سبزیاں بھی شامل تھیں مگر گوشت کی کوئی ڈش نہیں تھی۔ ہماری اِدھر اُدھر بھٹکتی ہوئی نگاہوں کو میزبان نے فوراً بھانپ لیا وہ کہنے لگا ''بدھ مذہب میں گوشت حاصل کرنے کی خاطر پرندوں اور جانوروں کا مارنا ممنوع ہے اور

Scanned with CamScanner

مویشیوں کو ذبح کرنا ظلم کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے آپ پھل وغیرہ کھا کر یہ شوق پورا کر سکتے ہیں"۔

بچے تو ویسے ہی بھوک سے بے حال تھے فوراً ہی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ بھاگ دوڑ سے وہ خاصے تھک چکے تھے چنانچہ کھانے سے فراغت پاتے ہی ان پر نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا۔ میں نے پر تکلف میز بانی پر گائیڈ کا شکریہ ادا کیا اور رخصت طلب کی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ہم واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے گائیڈ ہمیں راستہ دکھانے کیلئے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دور دراز سے آئے ہوئے یاتری اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے چند بھکشو پیپل اور برگد کے درختوں کے نیچے آلتی پالتی مارے مراقبے کی حالت میں گم تھے۔ بعض جگہوں پر مختلف بھکشو گھیرا باندھے ارہٹوں اور بودھی ستوا کے پرچار سن رہے تھے میز بان نے ہمیں بتایا کہ یہ ایسے علمی مدارج ہیں جو ایک بدھ بننے سے پہلے گیان دھیان کی کٹھن تپسیا اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ بچے نیند سے جھوم رہے تھے انہوں نے مضبوطی سے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ میں نے بھی انہیں باتوں میں مصروف رکھا ہوا تھا تا کہ وہ محتاط ہو کر چلتے رہیں۔

جونہی ہم نے دھرماراجیکا کے اسٹوپ کا آخری موڑ کاٹا ایک زور کا چھپاکا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام روشنیاں غائب ہو گئیں۔ میں نے یک بارگی مڑ کر دیکھا تمام منظر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اسٹوپ اور دیگر قدیم آثار دوبارہ شکستہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے۔ اور اس پراسرار اور اجنبی گائیڈ کا بھی کہیں نام ونشان نہ تھا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ چشم زدن میں تمام منظر نامہ کیسے تبدیل ہو گیا خوف کے مارے میری زبان گنگ ہو چکی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا!!! بچوں کے ہوش بھی گم تھے! میرے بار بار جھنجھوڑنے پر ان کے حواس بحال ہوئے اور انہوں نے بے تحاشا

Scanned with CamScanner

بھاگنا شروع کر دیا۔

ہم گرتے پڑتے پہاڑی سے نیچے اترے تو وہاں ایک اور مصیبت ہماری منتظر تھی۔ یہ ایک انا کونڈا نما اژدھا تھا جس نے سور کے ننھے بچے کو اپنے جسم کے بل کھاتے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اور ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جنگلی سوروں کا ایک جوڑا بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

میں نے بچوں کو وہیں دبکا لیا ان کے ہوش تو پہلے ہی اُڑے ہوئے تھے اوپر تلے کئی مصیبتیں دیکھ کر ان کی حالت غیر ہو چکی تھی انہوں نے کپکپانا شروع کر دیا اور بعض بچوں کی تو باقاعدہ گھگی بندھ گئی۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک اور اژدھا وہاں آنکلا پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر جنگل میں غائب ہو گئے۔ سور دوڑتے ہوئے اپنے بچے کی جانب لپکے جو آخری سانسیں لے رہا تھا۔ میں نے جلدی جلدی بچوں کو سنبھالا اور ہم ایک لمبا چکر کاٹ کر ہانپتے کانپتے گھر پہنچ گئے۔

اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد سلیمان اور ابراہیم تو باقاعدہ دو دن بخار میں مبتلا رہے میری حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی کئی روز تک عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا رہا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات منڈلاتے رہے۔۔۔ کبھی سوچتا کہ کیا یہ ان بے گناہ بھکشوؤں کی بے چین روحیں تھیں جنہیں سفید ہُنوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ یا پھر یہ بدھسٹ جنات کا کوئی گروہ تھا جس نے پورن ماشی کی رات میں دھرم راجیکا کے اسٹوپ کے سحر انگیز ماضی کی رونقوں کو دوبالا کیا تھا۔ اور وہ اجنبی گائیڈ کون تھا۔۔۔؟ کیا وہ اسٹوپ کی حفاظت پر مامور کوئی بھکشو جن ہے جو وہاں گدی نشین کے فرائض سرانجام دے رہا ہے اور بھولے بھٹکے سیاحوں کی راہنمائی بھی کرتا ہے۔۔۔۔۔!!!!!

Scanned with CamScanner

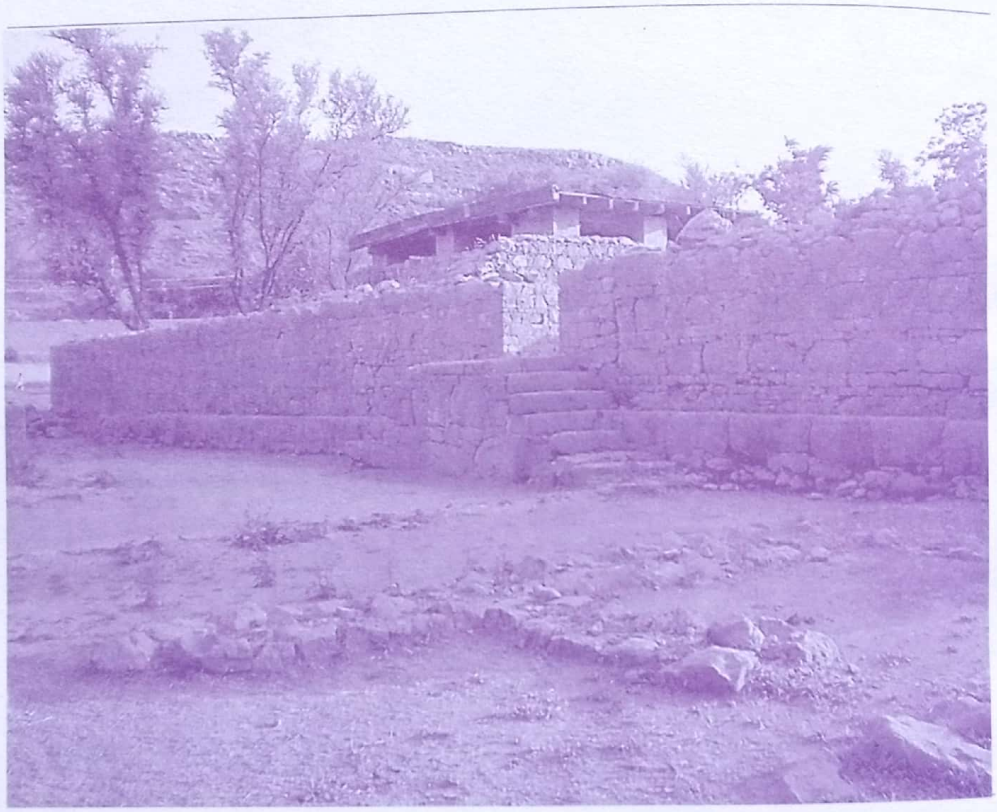

پیلے پھول، پرندے اور پپلاں کی خانقاہ

Scanned with CamScanner

گذشتہ کئی سالوں سے یہ میرا معمول بن چکا تھا کہ چھٹی کے روز علی الصبح سیر کیلئے نکلتا اور ٹیکسلا کے مضافاتی پہاڑی سلسلے میں کوہ پیمائی کرتا ہوا پپلاں کی تاریخی بدھ خانقاہ پر پہنچ کر دم لیتا یہ وہی راستہ تھا جسے گندھارا تہذیب کے دورِ عروج میں تشنگانِ علم، قرب و جوار میں پھیلی ہوئی درس گاہوں تک رسائی کیلئے اختیار کرتے تھے۔ ان قدیم راستوں پر آج بھی اس مادرِ علمی سے استفادہ کرنے والے بھکشو طلباء کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ علم وحکمت کی روشنیوں سے جگمگاتی یہ شاہراہِ دستور کبھی ٹیکسلا کے پہلے شہر بھڑ ماؤنڈ سے شروع ہو کر ہتھیال کے شمالی پہاڑی سلسلے پر واقع مہاراجا اشوک کے خوبصورت بیٹے کنال کے نام سے منسوب اسٹوپ کے پہلو سے گزرتی ہوئی ٹیکسلا کے دوسرے قدیم شہر "سرکپ" سے جا ملتی۔ سرکپ ایک چوراہے پر واقع تھا یہاں سے ایک راستہ دھرم راجیکا کے دیوہیکل اسٹوپ کو چھوتا ہوا مشرقی سمت میں خرم کی پہاڑی خانقاہوں کی جانب نکل جاتا جبکہ جنڈیال کا تاریخی مندر سرکپ شہر کے شمال میں واقع تھا یہاں دریائے سندھ اور مغربی گندھارا سے

Scanned with CamScanner

آنے والے قافلوں کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے خوش آمدید کہا جاتا۔ سکندرِ اعظم بھی براستہ اُوہُنڈ اِسی سڑک سے ہوتا ہوا آیا تھا۔

موہڑہ مرادو کا اسٹوپ سب سے محفوظ خیال کیا جاتا ہے وہاں پہنچنے کیلئے سرکپ شہر کا مشرقی راستہ اختیار کیا جاتا تھا۔ راستے میں اونچے اونچے پہاڑ حائل ہیں اور ان کے درمیان بل کھاتی سنگلاخ پگڈنڈی موہڑہ مرادو کی خانقاہ تک راہنمائی کرتی ہے۔ راستے میں پانی کا ایک قدیم کنواں بھی موجود ہے اس کا شفاف اور ٹھنڈا پانی آبِ حیات کی شہرت رکھتا ہے۔ خانقاہ کی مغربی پہاڑی چوٹی کے قریب صدیوں پرانی غار بھی موجود ہے یہ دشمنوں سے چھپنے کے لیے محفوظ پناہ گاہ کا کام دیتی تھی آج کل اس میں چمگادڑیں آباد ہیں جو رات کو آوارہ گرد بھکشوؤں کی مانند اسٹوپ کے اطراف میں منڈلاتی نظر آتی ہیں۔۔۔ کبھی کبھی سر پھرے نوجوان بھی اس غار کو سر کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر بھول بھلیوں میں کھو جانے کے ڈر سے کوئی آگے جانے کی جرات نہیں کر پاتا۔

موہڑہ مرادو کی اس طویل غار میں ڈیڑھ سو فٹ اندر تک تحقیقی کام کیا گیا ہے اس کا سہرا مشہور ماہرِ بشریات جناب ایلڈن جانسن کے سر جاتا ہے جنہوں نے 1964ء میں ڈاکٹر سیف الرحمٰن ڈار اور ڈاکٹر محمد شریف کے ساتھ مل کر غار میں تحقیقی کام انجام دیا اور پانچ فٹ گہرائی تک کھدائی بھی کی انہیں یہاں بدھ عہد کے برتنوں کے ٹکڑے بھی ملے لیکن مزید فنڈ مہیا نہ ہونے کی وجہ سے یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔

موہڑہ مرادو سے ٹیکسلا کے تیسرے شہر ''سرسکھ'' کی جانب بھی راستہ نکلتا ہے جبکہ مشرقی جانب سفر جاری رکھیں تو چند کوس کے فاصلے پر جولیاں کی قدیم یونیورسٹی کی حدود شروع ہو جاتی ہے۔ ٹیکسلا سے یہ فاصلہ کم و بیش سات کلومیٹر بنتا ہے۔

Scanned with CamScanner

میرا یہ سفر جولیاں سے چند گز پیشتر ہی پپلاں کی خانقاہ پر اختتام پذیر ہو جاتا وہاں پہلے سے موجود علی قلی میرا منتظر ہوتا ہم دونوں مل کر چائے پیتے، گپیں ہانکتے اور پھر تین چار گھنٹے گزارنے کے بعد سڑک کے راستے واپس لوٹ آتا۔

علی قلی خان میرا ہم جماعت تھا ہم دونوں آٹھ درجے تک اکٹھے پڑھے تھے۔ وہ مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور محکمہ آثارِ قدیمہ میں ملازمت اختیار کر لی اس کا آبائی گاؤں قریب ہی تھا اس لئے اسے مستقل طور پر پپلاں کے اسٹوپ اور خانقاہ کی نگرانی کیلئے تعینات کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اتوار کو سرکاری چھٹی ہوتی اس لئے اکثر غیر ملکی سیاح بھی وہاں آجاتے تھے مجھے بھی گندھارا کی تاریخ سے گہرا لگاؤ تھا چنانچہ ہم دونوں مل کر انگریزوں کی راہنمائی کرتے وہ لوگ واپس جاتے ہوئے علی قلی کو بخشیش بھی دیتے جس میں سے میرا غیر رسمی حصہ پر تکلف چائے کی صورت میں نکل آتا۔ یوں ایک پرسکون اور مسرت سے لبریز دن اپنے اختتام کو پہنچتا۔

پپلاں کے تاریخی آثار، موہڑہ مرادو اور جولیاں یونیورسٹی کے پہاڑی سلسلے کی درمیانی وادی میں واقع ہیں کبھی یہاں پیپل کے درختوں کی بہتات تھی جس کی وجہ سے یہ علاقہ پپلاں کے نام سے مشہور ہو گیا خانقاہ کے اطراف میں پیلے اور اودے رنگوں کی دوشالائیں اوڑھے خودرو جنگلی پھول ہوا کے دوش پر رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں رات کو خانقاہ کی جانب جانے والی پختہ سڑک پر جگنوؤں کا راج ہوتا ہے جن کی جلتی بجھتی روشنیوں پر قمقموں کا گماں گزرتا ہے۔

خانقاہ کا ابتدائی ڈھانچہ پہلوی اور کشان ادوار سے تعلق رکھتا ہے۔ کمرے چوکور صحن کے اطراف میں تعمیر کئے گئے تھے اور بڑا اسٹوپ مرکز میں ایستادہ تھا۔ جس کے ساتھ مزید

Scanned with CamScanner

چار چھوٹے اسٹوپے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ خانقاہ دوسری صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی تک آباد رہی بعد ازاں پرانی خانقاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے مغربی جانب ایک نئی اور جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی اور اس کی تعمیر میں بھاری بھرکم پتھروں کو تراش کر استعمال کیا گیا۔

یہ بتانا بھی محلِ نظر نہ ہوگا کہ اس سے پیشتر ٹیکسلا کے پہلے شہر بھڑ ماؤنڈ (ہخامنشی سے باختری یونانی عہد یا چھٹی صدی تا دوسری صدی قبل مسیح) میں پتھر کی بے تکی چنائی کا استعمال ہوا تھا جبکہ ردے دار بے ترتیب چنائی کا رواج سیتھی سے پارتھی عہد (دوسری صدی قبل مسیح تا پہلی صدی عیسوی) میں ہوا پھر پہلی صدی عیسوی میں چھوٹی چال کی چنائی متعارف ہوئی جس میں ردے دار پتھروں کو وقفے سے جوڑ کر بیچ میں سنگی ٹکڑے بھر دیئے جاتے۔ اسی دوران بڑے پتھروں کا استعمال بھی شروع ہو گیا پھر دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر چنائی کی طرز میں مزید تبدیلی ہوئی جو پانچویں صدی تک قائم رہی اس طرزِ تعمیر میں شکل دار پتھروں کا استعمال ہوا اور درمیانی وقفے کو بھی کسی قدر تراشے ہوئے پتھروں سے پُر کیا جانے لگا اور پپلاں کی موجودہ خانقاہ بھی اسی آخری تعمیراتی عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا طرزِ تعمیر بھی ٹیکسلا میں بنائی گئی دیگر خانقاہوں کے تعمیری خاکوں سے کافی حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ مروجہ اصولوں کے مطابق چوکور صحن کے بیچ میں پختہ فرش کا تالاب بنایا گیا اور اطراف میں بھکشوؤں کے رہائشی کمرے تھے یہ خانقاہ دو منزلوں پر مشتمل تھی جبکہ اوپر جانے کیلئے زینہ، باورچی خانہ کی ملحقہ دیوار کے ساتھ تعمیر کیا گیا تھا برآمدے کی چھت کمروں کے سامنے لکڑی کے مضبوط ستونوں پر کھڑی تھی بارش کا پانی چھجوں پر سے ہوتا ہوا درمیان میں واقع تالاب میں گرتا جبکہ اضافی پانی کی نکاسی کیلئے ایک پختہ نالی موجود تھی جو مغربی جانب میں

Scanned with CamScanner

ایک کمرے کے فرش کے نیچے سے گذرتی ہوئی باہر کی طرف برساتی نالے میں جا گرتی۔ خانقاہ کی مضبوط چار دیواری کے جنوبی گوشے میں دیوانِ عام، کھانے کا کمرہ، باورچی خانہ اور برتن رکھنے کے کمرے تھے۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک چوڑی اور مضبوط دیواروں والے کمرے کے اندر نہایت دیدہ زیب اور پرشکوہ اسٹوپ بھی دیدارِ عام کیلئے رکھا ہوا ہے اس کی بلندی آٹھ فٹ کے قریب ہے اور اس کا ڈھانچہ آج بھی کافی حد تک محفوظ ہے۔ یہ اسٹوپ تین مختلف قطر کے دھروں پر منقسم ہے بالائی ڈھول نسبتاً بڑا ہے جبکہ درمیانی دھرے پر مراقبہ میں ڈوبے ہوئے مہاتما گوتم بدھ کا چونا گچ سے بنا ہوا خوبصورت مجسمہ بنا ہے ایسے ہی مزید آٹھ مجسمے جو سدھارتھ بدھ کی بیٹھی ہوئی حالت کو ظاہر کرتے ہیں سب سے نچلے دھرے کے اطراف میں جڑے تھے جن میں سے اب محض دو مجسمے اصلی حالت میں ہیں اور ان کی بیرونی تہہ پر سرخ، سنہرے اور کالے رنگوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔ اسٹوپ کے سب سے نچلے حصے میں یونانی آیونی طرز کے نیم ستون بنائے گئے ہیں جنہیں برابر وقفوں میں کنول کے پھولوں کی مالا قطع کرتی ہے۔ مذکورہ اسٹوپ کے پتھریلی چھترے خانقاہ کے احاطے میں بکھرے ہوئے پائے گئے تھے جن سے مزید چھیڑ چھاڑ مناسب نہ سمجھی گئی۔

پپلاں کی خانقاہ سے میرا لگاؤ جذباتی حد تک بڑھ چکا تھا یہی وجہ تھی کہ میرا وہاں آنا جانا بدستور جاری تھا اس طرح غیر ملکی سیاحوں اور اسکالروں سے گندھارا تہذیب کے حوالے سے تبادلہ خیال کرنے کے مواقع میسر آتے رہے۔ اور علی قلی سے دوستی کے تقاضے بھی پورے ہوتے رہے۔

ایک روز میں نے دوستوں سے موہڑہ مرادو کی پراسرار غار کا ذکر کیا بس پھر کیا تھا وہ تو

Scanned with CamScanner

جیسے پہلے سے پر تولے بیٹھے تھے فوراً ہی وہاں پہنچنے کیلئے بے چین ہو گئے میں نے کئی حیلے بہانے تراشے مگر وہ سر پھرے میرا کوئی عذر سننے کو تیار ہی نہ تھے مجبوراً مجھے بھی ان کی ضد کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا کدالیں، ٹارچیں اور رسیاں اکٹھی کی گئیں غار میں آکسیجن کی مقدار کا اندازہ لگانے کے لئے لالٹین بھی رکھ لی گئی۔ چاقو اور دیگر دفاعی آلات بھی سامان کا حصہ تھے۔ پینٹ کا ڈبا اور برش بھی خرید لیا کیونکہ غار کے اندر بھٹک جانے کا خدشہ موجود تھا اس لئے آگے بڑھتے ہوئے نشانات لگانے کی تجویز تھی۔ مہدی حسبِ معمول سراغرسانی کے پہلو کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے السیشن کتا بھی ساتھ لے آیا۔ الغرض جب ہم غار سر کرنے کی مہم پر روانہ ہوئے تو پوری طرح کیل کانٹے سے لیس تھے۔ مرتضیٰ سب سے پیش پیش تھا وہ فطرتاً مہم جو طبیعت کا مالک ہے چنانچہ اس تمام کاروائی کا سرغنہ بھی وہی تھا۔ توقیر تو ویسے ہی ایسے معاملات میں پیچھے نہیں رہتا خطرات مول لینا اس کا وتیرہ تھا وہ مسلسل ہمت بندھاتا رہا۔ علی قلی بھی ہماری ٹیم میں شامل تھا مگر اسے طے شدہ پروگرام کے مطابق غار کے باہر ہی رکنا تھا تاکہ کسی ممکنہ خطرے کی صورت میں ہماری مدد کو پہنچے۔

جب ہماری مہم جو جماعت غار کے قریب پہنچی اس وقت صبح کے لگ بھگ نو بجے تھے موسم سہانا تھا ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی نشیب میں واقع خانقاہ کی عمارت بارش میں دھلنے کے بعد سورج کی روشنی میں اجلی اجلی لگ رہی تھی جبکہ ملحقہ اسٹوپ کے شکستہ گنبد پر چند جنگلی کبوتر جانے کب سے خاموش بیٹھے بدھ بھکشوؤں کی راہ تک رہے تھے۔

علی قلی خان نے غار کے دہانے پر نشست سنبھال لی اور ہم خدا کا نام لے کر اندر داخل ہو گئے دہانہ تو خاصا چوڑا تھا مگر اندر سے غار بتدریج تنگ ہوتی جا رہی تھی سب سے پہلے ہمارا آمنا سامنا چمگادڑوں کے جھنڈ سے ہوا جو سینکڑوں کی تعداد میں وہاں موجود تھیں ہمارے

Scanned with CamScanner

قدموں تلے ان کی پھیلائی ہوئی بیٹھوں کا چکنا فرش بچھا تھا اور چاروں طرف بو ہی بو پھیلی ہوئی تھی۔ راستہ نیچے کی طرف جا رہا تھا اور بتدریج اندھیرا بھی بڑھتا جا رہا تھا غار کی اندرونی ساخت سے اندازہ ہوتا تھا کہ نوکدار چٹانوں کو اپنے تئیں تراش خراش کر کے گزرگاہ کو بہتر بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ غار کے اندر دائیں بائیں کئی راستے نکلتے تھے مگر ہم لوگ سیدھی سمت میں آگے بڑھ رہے تھے کہیں راستہ تنگ ہو جاتا تو رینگ کر بھی آگے بڑھنا پڑتا اور جب کتا بھونکتا تو کافی دیر تک اس کی بازگشت سنائی دیتی اور ہم انجانے خوف سے سہم جاتے۔ اس دوران مہدی کتے کی پیٹھ زور زور سے تھپک کر اس کی ہمت بندھاتا اور ہمیں بھی حوصلے بلند رکھنے کی ہدایت کرتا۔ ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے آگے بڑھے تو ایک کونے میں مردہ جانوروں کی ہڈیاں دیکھ کر سب چونک اٹھے کتے نے لپک کر ایک ہڈی منتخب کی اور پھر اسے سونگھ کر پھینک دیا ادھر خوف کے مارے ہمارے پسینے چھوٹ رہے تھے ہڈیوں کے ڈھیر سے اس بات کی نشاندہی ہوتی تھی کہ غار میں خونخوار درندے بھی پناہ لیتے تھے۔

نصف کلومیٹر کے لگ بھگ سفر طے ہو چکا تھا اور آگے کا راستہ مزید دشوار گزار ہوتا جا رہا تھا میں نے ساتھیوں کو کئی مرتبہ واپس لوٹنے کا مشورہ دیا مگر مرتضیٰ اور توقیر کی مہم جو فطرت کے آگے کوئی پیش نہ چلی وہ دونوں بضد تھے کہ غار کے انتہائی سرے کو چھوئے بغیر واپس لوٹ جانا بزدلی ہوگی اور وہ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

اچانک ایک موڑ پر غیر مانوس سی آواز سن کر ہم سب کے کان کھڑے ہو گئے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آگے کی سمت بھاگتا ہوا گیا تھا۔ قدموں کی چاپ سے کوئی جنگلی جانور معلوم پڑتا تھا۔ کتے نے بھی بار بار بھونکنا شروع کر دیا مہدی نہایت مستعدی سے اسے قابو کئے ہوئے تھا چوکنے تو خیر ہم پہلے سے ہی تھے اب مزید پھونک پھونک کر قدم اٹھانے لگے دفعتاً ہم نے

Scanned with CamScanner

ایک نئی تبدیلی محسوس کی کتے نے ایک دم بھونکنا بند کر دیا اور ہلکی ہلکی سسکاریاں لینے لگا پھر ایک مقام پر تو اس نے آگے بڑھنے سے صاف انکار کر دیا اور بھاگنے کیلئے رسی تڑوانے لگا یہ ایک نئی افتاد تھی۔ بہر حال ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ خطرہ کہیں قریب ہی منڈلا رہا ہے ہم گومگو کے عالم میں کھڑے تھے کہ اچانک سامنے سے کچھ شور سا سنائی دیا اور غرّانے کی خوفناک آوازیں آنے لگیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے سامنے سے دو بھاری بھرکم بھیڑیئے نمودار ہوئے ہم لوگ افراتفری کے عالم میں پیچھے ہٹے مجھے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور میں نیچے گر گیا اسی دوران یہ درندے ہمیں روندتے ہوئے اوپر سے گزر گئے۔ مرتضٰی سب سے آگے کھڑا تھا وہ براہِ راست ان کی زد میں آیا بھاگتے ہوئے ایک بھیڑیئے نے اس کے شانے پر اپنے پنجے گاڑ دیئے تھے پہلے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اچانک کیا افتاد آن پڑی ہے جب اوسان بحال ہوئے تو سب نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور بھاگتے ہوئے واپسی کی راہ لی مہدی کا کتا پہلے ہی ہوا ہو چکا تھا ہمارے حوصلے بھی خاصے پست تھے اور ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ جب ہم گرتے پڑتے باہر پہنچے تو وہاں کافی سارے دیہاتی جمع تھے انہوں نے ڈنڈے اور کلہاڑیاں اُٹھا رکھی تھیں اور غار میں داخل ہونے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ ہمیں اپنے سامنے زندہ سلامت پا کر ان کی جان میں جان آئی دراصل ہوا یوں کہ غار میں بھیڑیوں کی موجودگی نے علی قلی کو پریشان کر دیا تھا اس نے چیخ چیخ کر دیہاتیوں کو اکٹھا کر لیا تھا۔

ہمیں سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور آئندہ کے لئے اس قسم کے ایڈونچر سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی مرتضٰی کا زخم رفتہ رفتہ بھر گیا مگر اس کے باوجود بھی وہ مُصر رہا کہ اس غار کو زندگی میں ضرور ایک بار سر کیا جائے گا۔ ادھر مہدی کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ کیونکہ اس کے بہادر کتے کو غار میں بھیڑیوں نے بھنبھوڑ ڈالا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ جب

Scanned with CamScanner

"His Master's Voice" ہی سننے والا دنیا میں نہ رہا تو مہدی کی سراغرسانی کی حسِ لطیف بھی جاتی رہی۔ تو قیر اور میں ویسے ہی تائب ہو چکے تھے علی قلی کو بھی اپنے معصوم بچوں کے سروں پر والد کا سایہ عزیز تھا اس طرح غارسر کرنے کا ہمارا دیرینہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

دن یونہی رہٹ کے ڈولوں کی مانند ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے چلے جا رہے تھے اور آنکھوں پر پٹی باندھے وقت کا بے رحم بیل انہیں آگے دھکیل رہا تھا۔ کئی روز سے میری طبیعت بھی خاصی مکدر تھی اور سستی کا یہ عالم تھا کہ کسی کام کو بھی ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے تنگ آ کر دفتر سے چھٹیاں لیں اور آرام کرنے کی نیت سے گھر آ رہا۔

ابھی مشکل سے ایک دن ہی گزرا تھا کہ اگلے روز سویرے سویرے علی قلی کا بلاوا آ گیا دراصل بیرونی ممالک سے چند سیاحوں کی آمد متوقع تھی اور جس سیاحتی کمپنی کی وساطت سے یہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا ان کا گائیڈ اپنی نو بیاہتا دلہن کے ساتھ شمالی علاقہ جات کے تفریحی مقامات پر ہنی مون منا رہا تھا اور جب اس سلسلے میں علی قلی سے رابطہ کیا گیا تو اس نے میرا نام تجویز کر دیا۔

مکمل طور پر صحت یاب ہونے میں مجھے ابھی کچھ وقت درکار تھا مگر اس بھلے مانس نے میری ایک نہ سنی اور ہر قیمت پر خدمات پیش کرنے کا حکم صادر کیا۔

فرصت تو خیر مجھے ویسے ہی تھی میں نے موقع غنیمت جان کر عجائب گھر کی لائبریری سے چند کتب حاصل کیں اور تاریخ کا عمیق مطالعہ شروع کر دیا۔ خطۂ گندھارا کے حکمران شاہی خاندانوں کی عروج و زوال کی داستانوں کی ورق گردانی کی اور جب سفاک سفید ہنوں کے ہاتھوں ٹیکسلا کے علمی اور ثقافتی ورثے کی تباہی و بربادی کے واقعات نظروں

Scanned with CamScanner

سے گزرے تو مجھ پر صدمے کی سی کیفیت طاری ہوگئی شاید اس میں میری بیمار طبعیت کا بھی عمل دخل تھا۔ روح خاصی ملول ہوئی اور میں خدا جانے کب تک یونہی گُومگو کے عالم میں بیٹھا ماضی کے سلگتے انگاروں سے راکھ جھاڑتا رہا۔

یہ پانچویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ گندھارا پر کشانؔ خاندان کی حکومت تھی اور عروس البلاد ٹیکسلا اپنے عروج کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ چین اور یورپ سے آنے والے قافلوں کا ملاپ ٹیکسلا میں ہوتا تھا۔ ہندوستان کو ملانے والی جرنیلی سڑک بھی یہیں سے ہو کر گزرتی تھی۔ مشرقِ بعید اور وسطی ایشیاء سے آنے والے تجارتی قافلے بھی ٹیکسلا ہی میں قیام کرتے۔ شاہراہِ ریشم کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے تمام تر تجارت اسی مرکزی راستے سے ہوتی تھی۔ اس طرح یہ شہر بین الاقوامی راستوں کے چوراہے پر آباد ہونے کی وجہ سے ایک عظیم میٹروپولس کی شکل اختیار کر چکا تھا۔

یہاں مختلف النسل لوگ آباد تھے ہندو، آتش پرست، جینی اور بدھ مت کے پیروکار امن اور آشتی سے ایک ساتھ رہتے تھے سرسبز و شاداب کوہسار، عبادت گاہوں سے بلند ہونے والی مسحور کن گھنٹیوں کی آوازوں سے گونج رہے تھے اور فضائیں محبت بھرے نغموں کی سریلی دھنوں پر محوِ رقص تھیں پھر خدا جانے کس کی نظر لگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا ظالم اور بے رحم ہُن اقوام کا ایک دہکتا ہوا آتش فشانی لاوا آیا جس نے گندھارا کے دبستانِ فن کے تمام مراکز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا وہ مادرِ علمی جس کے علم و دانش کا سارا جہاں معترف تھا پلک جھپکتے ہی کھنڈرات کا نظارہ پیش کرنے لگی سفید ہُنوں نے (460ء تا 470ء) خاک و خون کی ایسی ہولی کھیلی کہ جو کچھ بھی ان کی راہ میں آیا اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔ خانقاہیں اور اسٹوپے جلا ڈالے بھکشوؤں کو تہہ تیغ کر دیا۔ تباہی و بربادی کا نقشہ دیکھ کر

Scanned with CamScanner

یوں لگتا تھا جیسے یہ شہر کبھی آباد ہی نہ تھے۔

سفید ہُنوں (Ephthalite) کا تعلق ان جنگجو اور سفاک قبائل سے تھا جن کے مستقل حملوں سے تنگ آ کر چینی حکمرانوں نے اپنی حفاظت کیلئے دیوارِ قہقہہ یا دیوارِ چین (221 ق م تا 1500 عیسوی) تعمیر کی تھی۔ ہُن پانچویں صدی عیسوی میں ترکمانستان کے مشرق میں واقع دریائے سیحون (JAXARTES) کی وادی میں آباد تھے۔ انہوں نے بتدریج ایران اور افغانستان کو اپنے تسلط میں لیا اور پھر بڑھتے بڑھتے ٹیکسلا تک آ پہنچے گندھارا کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد یہ بالآخر پنجاب پر قابض ہو گئے اور ساکالا (سیالکوٹ) کو اپنا مستقر قرار دیا۔

ان سفاک حملہ آوروں نے خطہء گندھارا میں تباہی و بربادی کی وہ داستان رقم کی تھی جس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ وہ تمدن جو یونانی، رومن، پہلوی اور انڈو افغان مکتبہء فکر کے ملاپ سے وجود میں آیا تھا یکسر معدوم ہو گیا اور بدھ مذہب کو ایسا دیس نکالا ملا کہ وہ پھر کبھی نہ پنپ سکا۔ یوں ٹیکسلا کی عظمت کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

سفید ہُنوں کے ہاتھوں ڈھائے جانے والے ظلم و بربریت کے واقعات نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا میں تمام دن بخار کی حالت میں بے سدھ لیٹا خدا جانے کیا واہی تباہی بکتا رہا۔ شام کو زوجہ محترمہ نے غصے سے استفسار کیا یہ حنا کلموہی کون ہے جس کا نام سوتے میں بار بار تمھاری نوکِ زباں پر تھا۔ اب میں اس نیک بخت کو کیا بتاتا کہ جسے وہ ''حنا'' سمجھ کر جل بھن رہی تھی وہ دراصل ''ہُن'' تھے جنہوں نے واقعی کسی ظالم سوتن کی طرح حسد کی آگ میں جلتے ہوئے ایک خوفناک انتقام لیا تھا۔

اگلے روز مجھے پپلاں کی خانقاہ پر پہنچنا تھا رات ٹھیک طرح نیند بھی نہ آئی صبح بیدار

Scanned with CamScanner

ہوتے ہوئے دیر ہوگئی میں جلدی جلدی تیار ہو کر پپلاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ سیاحوں کی آمد میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ میری حالتِ زار کا اندازہ لگاتے ہوئے علی قلی نے اسٹوپ کے مضافات میں واقع ایک سایہ دار درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں چارپائی بچھادی اور مہمانوں کے آنے تک مجھے آرام کا مشورہ دیا۔

تھکاوٹ سے مجھے دوبارہ بخار نے آلیا اور چارپائی پر نیم دراز ہوتے ہی نیم غشی کی سی کفیت طاری ہوگئی ادھر ذہن میں طرح طرح کے خیالات کی جنگ جاری تھی کبھی ٹیکسلا کا شاندار ماضی نظروں کے سامنے گھوم جاتا تو کبھی وحشی ہُنوں کے ظلم وستم دماغ میں ہتھوڑے برسانے لگتے۔ نیم کھلی آنکھوں کے سامنے ہیولے ناچ رہے تھے بے جان جسم لڑکھڑا رہے تھے بے ہنگم سی آوازیں سنائی دے رہیں تھیں شاید میں Clairaudience کے مرغولوں میں پھنس چکا تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے منظر تبدیل ہونے لگا۔ ایک جانب سے شور کی صدائیں بلند ہونے لگیں کچھ زرد لباس بھکشو دوڑتے ہوئے نظر آئے وہ عجیب وغریب آوازیں نکال رہے تھے تمام خانقاہ کا احاطہ بھکشوؤں سے بھرتا جارہا تھا ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں ہر طرف سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی دبی دبی آوازوں کے شور پر مکھیوں کی بھنبھناہٹ کا گماں گزرتا تھا۔ میں حیران تھا کہ اتنے سارے لوگ اچانک چیونٹیوں کی طرح بلوں سے کیسے نکل آئے تھے۔ کچھ بھکشو خانقاہ کی دوسری منزل کی چھت پر چڑھے جھانک جھانک کر دور کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی دوران کسی نے بلند آواز سے پکارا ''دشمن سر پر چڑھ آیا ہے فوراً پہاڑوں کا رخ کرو اور جتنی جلدی ممکن ہو جنگل میں غائب ہو جاؤ''۔

مجھے بھی پہلی بار اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا اور بھاگ کر خود کو ایک ابھری ہوئی پتھریلی

Scanned with CamScanner

چٹان کے نیچے چھپا لیا یہاں سے سارا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے چاروں اطراف سے حملہ آور ٹوٹ پڑے ان کے سر مخروطی اور لمبے تھے جبکہ ناک چپٹی اور سڈول تھی انہوں نے اپنے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں اور جلتی ہوئی آگ کی مشعلیں اُٹھا رکھی تھیں۔ وہ بھاگتے ہوئے نہتے بھکشوؤں کو گاجر مولیوں کی طرح کاٹ رہے تھے جن کی دل دوز چیخوں سے پہاڑ گونج رہے تھے۔

وحشی حملہ آوروں نے خانقاہ کو بھی آگ لگا دی لکڑی کے دروازے، ستون اور چوبی چھتیں دھڑا دھڑ گرنے لگیں۔ دھوئیں کے سیاہ بادل نے پوری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جلتے ہوئے جسموں کی بدبو سے تعفن اُٹھ رہا تھا لوگ بے ہنگم طریقے سے بھاگتے دوڑتے نظر آ رہے تھے ہر سمت شور برپا تھا۔ کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا۔ کبھی کبھی یہ جنگجو اپنے سردار تورامانا اور ولی عہد شہزادے مہراگلا کا نام لے کر نعرے بلند کرتے اور فضا ان کے فلک شگاف آوازوں کے شور سے تھرتھر کانپ اٹھتی۔

میں بھی خوف کے مارے دبکا ہوا بیٹھا تھا اسی دوران اچانک ایک بھاگتے ہوئے حملہ آور کی نظر مجھ پر پڑ گئی اس نے چیختے ہوئے باقی ساتھیوں کو میری موجودگی سے آگاہ کیا بس پھر کیا تھا وہ ننگی تلواریں سونت کر میری جانب لپکے میں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ٹانگوں نے میرا ساتھ نہ دیا۔ میں زور زور سے مدد کیلئے پکارنے لگا مگر آواز گلے میں دم توڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس دوران میں نے پلکیں اٹھائیں تو میری نظر علی قلی پر پڑی وہ مجھے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور میرے حلق سے پھنسی پھنسی سی آوازیں نکل رہی تھیں میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر خود کو دیکھنے لگا۔ اپنے آپ کو صحیح سالم دیکھ کر میں نے خدا کا شکر

Scanned with CamScanner

ادا کیا۔

دراصل بخار اور بے خوابی کے ملے جلے اثرات نے مجھے ماضی کے سفاک ہُنوں کے عہد میں لا کھڑا کیا تھا۔ میں ابھی تک ان کے ظلم و استبداد کے نفسیاتی خوف سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا تھا۔ میری خوفزدہ نظریں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں اسی دوران جب میری نگاہ اسٹوپوں اور خانقاہ کے شکستہ در و دیوار پر پڑی تو یوں محسوس ہوا جیسے یہ عمارتیں ابھی تک بھکشوؤں کے بے گناہ خون کے چھینٹوں اور دھبوں سے لتھڑی ہوئی ہیں۔ ہر شے خون آلود دکھائی دیتی تھی۔ تازہ خون کی بو کی لپٹیں محسوس کر کے میرا سانس رُکنے لگا۔ میرا وہاں ٹھہرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں نے نہایت مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا غیر ملکی سیّاح بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ علی قلی نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا اور پھر ہم دونوں ان کی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔

خانقاہ کی چار دیواری سے باہر قدم رکھتے ہی جب اطراف میں اُگے ہوئے خود رو پھولوں پر نظر پڑی تو علی قلی سیاحوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"کہتے ہیں کہ کبھی پپلاں کے پرسکون قصبے میں گلاب کے سرخ پھولوں کی بہتات تھی اور بلبل چہچہاتے تھے لیکن جب سے یہ کاخ و کوہ ویران ہوئے ہیں۔ اداسیوں کا راج ہے اب یہاں محض پیلے رنگوں کے پھول ہی کھلتے ہیں یا برسات میں کوئل بین کرتی نظر آتی ہے"۔

بے رحم وقت کی چیرہ دستیوں کی داستانِ الم سن کر سیاح سکتے کے عالم میں یوں خاموش کھڑے تھے جیسے افسانوی کرداروں کی طرح پیچھے مڑ کر دیکھنے کی پاداش میں پتھر کے مجسمے بن چکے ہوں۔۔

Scanned with CamScanner

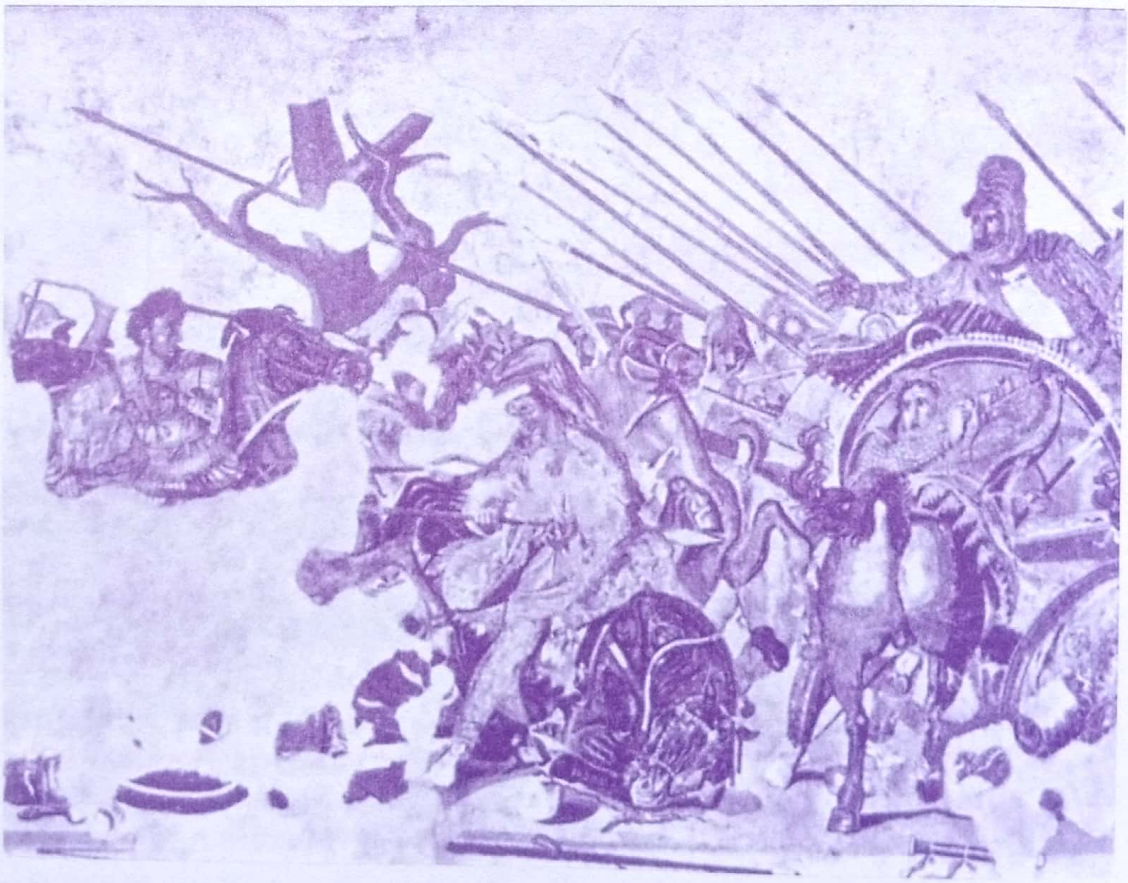

سکندرِ اعظم، سانپوں کے شہر میں

Scanned with CamScanner

منکسر المزاج اور دھان پان سی شخصیت کے مالک ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب اسکول میں ہمیں تاریخ پڑھاتے تھے ان کا اسلوبِ بیان نہایت سادہ، تیکھا اور پر کشش ہوتا۔ دنیا کے کسی بھی ملک کے حوالے سے کوئی موضوع زیرِ بحث ہوتا تو تن کر کھڑے ہو جاتے۔ چاک سنبھالتے اور تختہ سیاہ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے۔ اور منٹوں میں پورے برّ اعظم کا نقشہ نظروں کے سامنے ہوتا پھر اتنی مہارت سے موضوع پر روشنی ڈالتے کہ ہر پہلو ذہن نشین ہو جاتا۔

ایک مرتبہ اسکول میں دیہات کی فطری زندگی کے حوالے سے مذاکرے کا اہتمام کیا گیا تو ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب تمام طلباء کو اپنے ہمراہ گاؤں لے گئے انہوں نے وہاں دہقانوں سے ملوایا، لہلہاتے کھیت اور کھلیان دکھائے، ندی نالوں کی سیر کی، بھیڑ بکریوں کے ریوڑ دیکھے، گائے بھینسوں کا دودھ دُوہا۔ پیڑوں سے مالٹے توڑنے میں باغبان کی مدد کی۔ کھیتوں میں ہل چلاتے کسانوں سے ملے۔ زمیں ہموار کر کے پودے بھی لگائے گئے۔

Scanned with CamScanner

لسّی، مکھن، دودھ، دہی اور ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی کے مزے لئے۔ ماہیئے اور ٹپوں کا مقابلہ بھی ہوا۔ غرض یہ کہ ہم سارا دن پنگھٹ اور پن چکیوں کی رومانوی آوازوں کے سحر میں ڈوبے رہے اور شام ڈھلنے کا مطلق احساس نہ ہوا۔

ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کا گاؤں، موہڑہ مرادو کی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع تھا جس کے جنوب مغربی سمت سے سرکاری نہر گزرتی تھی جو مضافاتی زمینوں کو سیراب کرتی ہوئی چھ کلومیٹر دور ٹیکسلا کی جانب جا نکلتی۔ پانی کے کنارے کنواریاں کپڑے دھوتیں، پردیسیوں کو یاد کر کے گیت گاتیں اور گرمیوں میں اکثر بچے نہاتے نظر آتے۔ یوں تو موہڑہ مرادو ایک چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن یہاں غیر ملکی سیاحوں کی آمدورفت کی وجہ سے رونق لگی رہتی تھی۔ دراصل گاؤں کی پچھلی جانب سرسبز پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک عظیم الشّان اسٹوپ اور قدیم خانقاہ کی عمارتیں جوں کی توں سر اُٹھائے کھڑی ہیں جنہیں دوسری صدی عیسوی میں بدھسٹ معماروں نے کمال ہنرمندی سے تعمیر کیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس تاریخی ورثے کو دیکھنے کیلئے یاتریوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔

سیر کے دوران ہمیں بتایا گیا کہ یہ نادر روزگار اسٹوپ، مہاتما بدھ، بدھی ستوا، عبادت گزاروں اور خدمت گاروں کے مجسموں سے مزین تھے۔ خانقاہ تک رسائی کیلئے پتھر کی بڑی بڑی سلیں جوڑ کر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ اطراف میں چہار سو بھکشوؤں کے رہائشی کمرے تھے جن کے سامنے چوبی برآمدہ تھا۔ صحن کے بیچ میں تالاب تھا پانی میں چاروں سمت سے سیڑھیاں اترتی تھیں عمارت کا بقیہ حصہ طعام گاہ، باورچی خانہ اور تبلیغی کمروں کیلئے مختص تھا جبکہ تمام نالیاں باقاعدہ ڈھکی ہوئی تھیں۔

موہڑہ مرادو سے واپسی کے بعد کئی روز تک گاؤں کے تاریخی اور فطری مناظر ہمارے حواس پر چھائے رہے اور دوبارہ وہاں جانے کیلئے شدت سے جی مچلتا رہا۔

Scanned with CamScanner

ایک روز اسکول میں ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کے ملنے والے چند دیرینہ دوست بلوچستان سے تشریف لائے یاد رہے کہ ماسٹر صاحب نے اپنی تدریسی زندگی کی ابتداء بلوچستان ہی سے کی تھی اور ان کے پڑھانے کا صوتی انداز آج بھی وہاں کے اسکولوں میں رائج ہے۔

مہمانوں نے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا کلاس میں ان دنوں سکندرِ اعظم کے حملے کے حوالے سے قدیم ٹیکسلا کا تہذیبی پسِ منظر موضوع بحث تھا۔ عبدالرحمٰن صاحب نے بھی موقع غنیمت جانا فوراً ہیڈ ماسٹر صاحب سے مشاورت کی اور کلاس کے تمام لڑکوں کو اپنے ساتھ لے جانے کیلئے تیار کر لیا کھلی فضا سے لطف اندوز ہونے کیلئے بغیر چھت کے تانگوں کا بندوبست کیا گیا اور طلباء ہنسی خوشی ٹیکسلا کے تاریخی اور سب سے قدیم شہر بھڑ ماؤنڈ کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔

قدیم شہر میں قدم رنجہ کرنے سے پہلے ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک گھنے درخت کی چھاؤں تلے تعارفی پروگرام کا اہتمام کیا شاید ان کے اندر کا استاد دوبارہ انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا وہ کہنے لگے۔ ''شہر کا اصلی نام ''تکشا سلا'' تھا یعنی تراشیدہ پتھروں کا شہر!!۔ رومی اور یونانیوں نے اسے ٹیکسلا کا نام دیا جو آج تک قائم ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق یہاں ٹیکشا نامی قبیلہ آباد تھا یہ لوگ سانپوں کے پجاری تھے۔ کیونکہ ''ٹیکشا''، سنسکرت زبان کا لفظ ہے جسکا مطلب ''کالا ناگ'' اور ''سلا'' سے مراد پہاڑی ہے یعنی یہ وادی سانپوں کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھی جس کی وجہ سے اس کا نام ''ٹیکشا سلا'' پڑ گیا''۔

ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ذرا توقف کیا پھر کہنے لگے۔

''آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ٹیکسلا کے مضافات میں واقع جدید ترقی یافتہ شہر راولپنڈی کا پرانا نام گجی پور تھا اس شہر کی بنیاد سانپوں کی پوجا کرنے والے سردار راجہ گج نے

Scanned with CamScanner

رکھی تھی موجودہ نام ''راولپنڈی'' کا مطلب بھی ''جوگیوں کا مسکن'' ہے ''تزکِ جہانگیری'' کے مطابق بھی ''راول'' ہی دراصل جوگی قبیلہ کے لوگ تھے۔ اس قبیلے سے تعلق رکھنے والے ''ناگی'' کہلاتے ہیں جس کا معرب ناجی ہے۔ ان تمام شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سانپوں کی پوجا کرنے والی قوم کبھی ٹیکسلا اور اس کے اطراف میں آباد رہی تھی''۔

ماسٹر صاحب نے اپنا گلا صاف کیا اور پھر دانستہ سرگوشیانہ انداز اختیار کیا۔

''آپ لوگ بھی خوب دیکھ بھال کر یہاں قدم رکھیں میں نے بھی یہاں کئی مرتبہ سانپ رینگتے دیکھے ہیں خصوصاً برسات میں تو اس طرف کا رُخ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس موسم میں درختوں کی شاخوں سے سانپ جھولتے رہتے ہیں اور بھڑ ماؤنڈ کی گلیوں میں تو میں نے خود چاندنی راتوں میں سانپوں کو رقص کرتے دیکھا ہے''۔

طلباء میں سراسیمگی کے آثار ظاہر ہونے لگے وہ مسلسل دائیں بائیں دیکھ رہے تھے مگر ماسٹر صاحب نے اپنا بیان جاری رکھا۔

''مہابھارت'' میں ذکر ملتا ہے کہ جب ہستنی پور کے راجا جمنی جایا نے ٹیکسلا پر قبضہ کیا تو مقامی ''ٹیکشا'' قبیلے کے افراد کو تہہ تیغ کر دیا اور یہاں ناگ کی قربانی کی رسم بھی ادا کی۔ ہندو ادب کی مشہور کتاب ''رامائن'' کے مطابق رام چندر جی کے سوتیلے بھائی بھرت کے عہد میں ٹیکسلا کی بنیاد رکھی گئی جہاں اس نے اپنے ایک بیٹے ''ٹیکشا'' کو ٹیکشا سلا (ٹیکسلا) کی حکومت بخشی جبکہ دوسرے بیٹے پشکلا کو ''پشکلا وتی'' (چارسدہ) کا حکمران بنایا۔ بدھ مت کی جاتک کہانیوں میں بھی ٹیکسلا کا ذکر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس کے علاوہ مشہور تاریخ دانوں اور سیاحوں مثلاً ہیروڈوٹس (406 ق م)، پلوٹارچ، اسٹرابو (64 ق م تا 19 عیسوی) ایرین (96 تا 180 عیسوی) ہیوں تسینگ (629 تا 645 عیسوی) اور فاہین (تقریباً 400 عیسوی) وغیرہ نے ٹیکسلا کی خوشحالی، لہلہاتے کھیتوں کی ہریالی، قدرتی

Scanned with CamScanner

چشموں کے گنگناہٹ، ندی نالوں کی فراوانی اور پھلوں پھولوں کی کثرت کی خوب تعریف کی ہے۔

سرزمینِ ٹیکسلا سے یونانیوں کی بھی جذباتی وابستگی رہی ہے۔ سب سے پہلے سکندر اعظم نے اس خطے کا راستہ ان کے لئے ہموار کیا یونانی حکمرانوں نے ٹیکسلا پر کم وبیش ایک صدی تک حکومت کی اور اپنے پیچھے مغربی تہذیب کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ یونانیوں کو یہاں اپنے ہی ملک جیسا ماحول اور خوبصورت فضا میسر آئی۔ وادیِ ٹیکسلا کے مضافاتی پہاڑوں پر جنگلی زیتون اگتا تھا۔ چیڑ کے درختوں کی بہتات تھی۔ بحیرہ روم سے جب نمی سے لدی ہوئی ہوائیں دریائے سندھ کی فضا سے ٹکراتی تھیں تو بارشوں کا سماں بندھ جاتا مون سون میں بحیرہ بنگال سے اُٹھنے والی گھٹائیں بھی خوب بارشیں لاتیں یہ خطہ مری سے آنے والی برفانی ہواؤں کی زد میں بھی رہتا ہے۔ دراصل یہی وہ تمام عوامل تھے جنہوں نے یونانیوں کے دل سے اپنے ملک کی یاد محو کر دی تھی۔

بھڑ ماؤنڈ ٹیکسلا کے موجودہ کھنڈرات اخمینی دورِ حکومت کی نشاندہی کرتے ہیں اس شہر کے تعمیراتی ڈھانچے میں ایرانی طرزِ تعمیر کی جھلک ملتی ہے۔ سائرس اعظم کی حکومت (559 تا 529 ق م) کی سرحدیں دریائے ڈینیوب، دریائے نیل، بحیرہ روم اور دریائے سندھ کے اطراف تک پھیلی ہوئی تھیں مشہور تاریخ دان ہیروڈوٹس نے گندھارا کو دارا اوّل کی حکومت کا بیسواں صوبہ تحریر کیا ہے جس کا دارالحکومت ٹیکسلا تھا اور یہ فارس کی حکومت کا سب سے امیر ترین صوبہ تصور ہوتا تھا چوتھی صدی ق م کے وسط میں اردشیر دوئم (404 تا 359 ق م) کے دورِ حکومت میں اخمینی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا یوں گندھارا چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا جب سکندرِ اعظم (326 ق م) میں ٹیکسلا پہنچا اس وقت اس کے ہمراہ ایک لاکھ پچاس ہزار سپاہیوں کی فوج اور پندرہ ہزار گھوڑوں پر مشتمل دستے تھے۔ ان دنوں ٹیکسلا

Scanned with CamScanner

مقامی حکمران راجا امبھی کے دست نگر تھا۔ راجا امبھی عموماً دریائے جہلم کے پار کے مضبوط حکمران راجا پورس کے ساتھ لڑائی میں الجھا رہتا تھا چنانچہ راجا امبھی نے سکندرِ اعظم سے صلح کر لی اور اپنی فوجیں بھی اسکی کمان میں دے دیں۔ اس کے علاوہ ہاتھیوں، بیلوں اور بھیڑوں کی صورت میں کئی قیمتی تحائف بھی اس کے حوالے کیے۔ ٹیکسلا میں سکندرِ اعظم کے اعزاز میں شاندار قربانیاں پیش کی گئیں مختلف کھیلوں کا انعقاد کیا گیا سکندر اعظم اور دیگر یونانیوں کو ٹیکسلا میں ہندوستانی ثقافت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا انہوں نے پہلی مرتبہ خواتین کی ستی ہونے کی رسم دیکھی ننگ دھڑنگ جوگیوں سے ملے۔ بغیر جہیز والی خواتین کی بولی لگتے دیکھی انسانی نعشوں کو خونخوار پرندوں کی خوراک بنتے دیکھا۔ دراصل سینکڑوں گدھ مرنے والے انسانوں کا گوشت نوچ کھاتے تھے یہ ایک ایرانی رسم تھی جو یہاں بھی رائج ہو گئی تھی۔

طلباء یوں ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کی جانب ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے جیسے ٹیلی ویژن پر سنسنی خیز خبروں کی پٹی چل رہی ہو اور ادھر ماسٹر صاحب بھی بلا تکان بولے ہی چلے جا رہے تھے۔

"سکندرِ اعظم نے ٹیکسلا میں فلپ ابنِ مچائس کو یونانی سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ اپنا سٹراپ (گورنر) مقرر کیا اور خود راجا پورس سے ٹکر لینے جہلم کی سمت روانہ ہو گیا۔ 324 قبل مسیح میں یونانیوں نے سازش کر کے فلپ کو قتل کر دیا اور پھر راجا امبھی اور یوڈیمس مل کر حکومت کرتے رہے۔ موریہ حکومت کا بانی چندر گپت بھی سکندرِ اعظم سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکا تھا اس نے 306 قبل مسیح میں یونانی حکمران سلوکس کو شکست دی اور اس کی بیٹی کو بیاہ کر پاٹلی پتر لے گیا۔ چندر گپت موریہ کے بعد اس کا بیٹا بندوسار (297 تا 274 ق م) اور پوتا اشوک (274 سے 237 ق م) حکمران بنے اس سے پیشتر اشوک ٹیکسلا کا گورنر بھی رہ چکا تھا۔ وہ بنیادی طور پر ہندو تھا بعد ازاں اس نے بدھ مت

Scanned with CamScanner

قبول کرلیا اس کے دور میں بدھ مت کا خوب احیاء ہوا اس نے سڑکوں کے کنارے کنوئیں کھدوائے درخت لگوائے انسانوں اور جانوروں کیلئے ہسپتال قائم کئے۔ مہاتما بدھ کی اصل راکھ اور دیگر تبرّکات نکلوا کر اپنی ریاست کے دور افتادہ علاقوں میں تقسیم کر کے دفن کئے۔ ٹیکسلا میں یہ تبرّکات دھرم راجیکا کے اسٹوپ کے حصّے میں آئے۔ تبت کی ایک روایت کے مطابق مہاراجا اشوک کو ٹیکسلا سے بہت محبت تھی اس نے اپنی جوانی کے دن بطور گورنر یہیں بسر کیے تھے۔ اور جب اس کا وقتِ آخر قریب آیا تو وہ ٹیکسلا آ گیا اور یہیں وفات پائی شاید اس کی راکھ کے پھول بھی ٹیکسلا ہی میں کسی اسٹوپ میں دفن ہوں گے۔

اشوک کی آنکھیں بند ہوتے ہی موریہ سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے۔ اور دوبارہ جنگ وجدل کا بازار گرم ہوگیا۔ 189 قبلِ مسیح میں جب بلخی یونانی حکمران ڈیمیٹیریس نے گندھارا کو فتح کیا تو موریہ سلطنت کا مکمل خاتمہ ہوگیا انہوں نے بھڑ ماؤنڈ کی بجائے دھمرا نالے کی دوسری جانب نیا شہر بسایا جو سرکپ کہلاتا ہے۔ اس طرح بھڑ ماؤنڈ کی عظمت کا سورج ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا''۔

ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ٹیکسلا کے پہلے شہر ''بھڑ ماؤنڈ'' کے تاریخی پسِ منظر بیان کرنے کے بعد تمام طلباء کو آزادانہ گھومنے کی اجازت دے دی۔ اب شہر کے تعمیراتی منصوبے، نکاسئ آب کا انتظام، پینے کے پانی کی فراہمی، اور سماجی و مذہبی اقدار پر بحث مقصود تھی چنانچہ تمام طلباء عبدالرحمٰن صاحب کو اپنے گھیرے میں لے کر بھڑ ماؤنڈ کی بے چراغ گلیوں میں نکل کھڑے ہوئے۔

ان کی پاٹ دار آواز سماعتوں کے پردے سے ٹکرا رہی تھی۔

''یہ شہر بے مثال یعنی بھڑ ماؤنڈ کبھی دھمرا نالے کے مغربی کنارے پر آباد تھا اس کی گلیاں ٹیڑھی اور تنگ تھیں ان کی اوسط چوڑائی 9 فٹ سے لے کر 22 فٹ تک تھی۔ شواہد

Scanned with CamScanner

سے پتا چلتا ہے کہ یہ شہر تین مرتبہ اجڑنے کے بعد آباد ہوا سب سے نیچے کی آبادی چھٹی صدی قبلِ مسیح کے دور کی دریافت ہے اگر اس سے نیچے کھدائی کی جائے تو ممکن ہے کہ مزید انکشافات ہوں۔

گھر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت نہیں بنے تھے۔ تعمیرات میں کنجور اور چونے کے پتھر استعمال کئے گئے دیواروں پر بھس ملی مٹی کی لپائی کی جاتی تھی جن پر سفیدی کی تہہ چڑھا دی جاتی۔ چنائی مکمل طور پر مٹی کے گارے سے کی جاتی تھی اور ردے بے تکے جوڑے جاتے تھے۔ نالیاں ڈھکی ہوئی تھیں سیوریج کے علاوہ بارشی پانی کی نکاسی کے لیے بھی نالیاں تعمیر کی جاتی تھیں۔ انہیں چونے اور کنجور کے پتھر تراش کر بنایا گیا تھا اس کے علاوہ پختہ مٹی کے پائپ بھی ملے ہیں جنہیں آگ پر پکایا گیا تھا ان پائپوں کے سرے باقاعدگی سے ایک دوسرے کے اندر پیوست ہو جاتے تھے۔ سیوریج کو ٹھکانے لگانے کیلئے کنوئیں کھودے جاتے تھے۔ امراء کے گھروں میں دو کنوئیں تھے شروع شروع میں یہ کچے بنائے گئے مگر بعد کے دور کے چنائی والے کنوئیں بھی دریافت ہوئے ہیں بعض کنوؤں میں پتھر کی دیواروں کے علاوہ پکی مٹی کے گول چکر بھی اوپر نیچے دھرے ہوئے ملے ہیں جن کے پیندے خالی ہوتے تھے۔

ایک کنواں صحن میں صفائی کی غرض سے بنایا جاتا تھا جبکہ دوسرا غسل خانے، طعام خانے کے ضیاع اور حوائجِ ضروریہ کو ٹھکانے لگانے کے کام آتا تھا یہ کنوئیں گول اشکال کے تھے اور عموماً 25 فٹ کی گہرائی تک کھودے جاتے۔ انہیں اوندھے گھڑوں اور لوٹوں سے بھر دیا جاتا اس طرح دیواریں گرنے سے محفوظ رہتیں، سیوریج بھی سائنسی طریقے سے زمین کا حصہ بن جاتی اور آلودگی کے مسائل بھی جنم نہ لیتے۔

شہر کی صفائی کیلئے بھی پورا انظام موجود تھا عموماً ہر چوک میں پختہ کوڑے دان بنائے گئے

Scanned with CamScanner

تھے جن کی روزانہ صفائی کی جاتی تھی گلیوں کے کونوں کو جنگی رتھوں اور بیل گاڑیوں کی براہِ راست زد سے محفوظ بنانے کیلئے پتھروں کے لمبے ستون ایستادہ کیے گئے تھے"۔

گھروں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا کہ مکانوں کی چھتوں کو سہارنے کیلئے لکڑی کے ستون کھڑے کیے جاتے تھے جن کا بوجھ برداشت کرنے کیلئے 15 فٹ کی گہرائی تک پتھروں کی مضبوط بنیادیں بنائی گئی تھیں۔ گھروں میں ایک کھلا صحن ہوتا تھا جس کے اطراف میں کمرے بنائے جاتے بعض جگہ برآمدوں کے سراغ بھی ملے ہیں۔ گھر عموماً دو منزلوں پر مشتمل تھے اوپر جانے کیلئے لکڑی کے زینے استعمال کئے جاتے۔ نچلی منزل میں عموماً غلام اور محکوم لوگ رہتے شاید یہی وجہ تھی کہ پہلی منزل کی نسبت نیچے کے کمرے تنگ اور چھوٹے تھے اور ان کی کھڑکیاں گلی میں کھلتی تھیں جو کہ حفاظتی نقطۂ نظر سے ترچھی اور بتدریج تنگ ہوتی جاتی تھیں جبکہ اوپر کی منزل میں گلی میں جھانکتی ہوئی بالکونیوں کا رواج بھی قیاس کیا جاتا ہے۔

صحن کو عموماً دریا کی بجری بچھا کر پختہ کیا جاتا تھا اور کمروں کے فرش کوٹی ہوئی مٹی سے بنائے جاتے جبکہ غسل خانوں میں سلیٹ کا پتھر بھی استعمال کیا گیا تھا۔ دکانیں گھروں سے ہٹ کر بنائی جاتیں اور ان کے رُخ گلیوں کی جانب ہوتے۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا کہ بھڑ ماؤنڈ سے ایک قدیم ترین عبادت گاہ کے آثار بھی دریافت ہوئے ہیں۔ یہ ایک لمبی چوڑی ہال نما عمارت ہے۔ جس کے بیچ میں متعدد ستون بھی تھے۔ تمام عمارت پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھی۔ اس کے ملبے سے مٹی کی پکائی ہوئی کئی مورتیاں بھی ملی ہیں۔ ماسٹر صاحب کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے انہوں نے ماتھے سے پسینہ پونچھا اور کہنے لگے۔

"بھڑ ماؤنڈ شہر کم و بیش ایک مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا جس کے لئے پانی کی

Scanned with CamScanner

ترسیل دھمراندی سے ہوتی تھی جبکہ بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کیلئے شہر کے اردگرد حفاظتی دیوار کا حصار تھا جس کی تعمیر میں کچی اینٹیں اور لکڑی کے ستون استعمال کئے گئے تھے۔

یہ تھا اس شہرِ خوباں کا ماضی جو آج محض شہرِ خاموشاں کا منظر پیش کر رہا ہے'' یہ کہہ کر ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب بھی ایک دم خاموش ہو گئے جیسے انہیں کوئی سانپ سونگھ گیا تھا یقیناً وہ بھی ٹیکسلا کے شاندار ماضی کے دھندلکوں میں کہیں گم ہو گئے تھے۔

جب سے طلباء بھڑ ماؤنڈ کی تفصیلی سیر کر کے لوٹے تھے خاصے پر جوش تھے۔ بعض لڑکے تو غیر ملکی سیاحوں کی دلچسپی دیکھتے ہوئے باقاعدہ گائیڈ بننے کی سوچ رہے تھے۔ ادھر ماسٹر عبدالرحمٰن کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ ٹیکسلا کی قدیم ثقافت کو اس کی اصل روح کے مطابق سامنے لایا جائے وہ چاہتے تھے کہ ایک پورا دن تاریخ کے گم گشتہ کرداروں کے ہمراہ ان خرابوں میں بسر کیا جائے انہوں نے محکمہ آثارِ قدیمہ کے ڈائریکٹر سے رابطہ کیا خوش قسمتی سے وہ بھی ان کے شاگرد نکلے چنانچہ اجازت ملتے ہی ماسٹر صاحب نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے دن رات ایک کر دیا۔

عبدالرحمٰن صاحب بھڑ ماؤنڈ کے اصل شہر میں ایک تمثیلی پروگرام پیش کرنا چاہتے تھے جس میں قدیم دور کی بھرپور عکاسی کو ممکن بنانا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر خوب تشہیر کی گئی مقامی اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کو مدعو کیا گیا محکمہ آثارِ قدیمہ والوں نے بھی اپنی فنی معاونت اور تمام ممکنہ وسائل کی فراہمی کا یقین دلایا۔

جس روز اس اچھوتی نمائش کا اہتمام ہوا یوں لگتا تھا جیسے ٹیکسلا کے قدیم شہر ''بھڑ ماؤنڈ'' کی گلیوں کی رونق دوبارہ لوٹ آئی ہے۔ خوب گہما گہمی تھی۔ بچے، بوڑھے، نوجوان اور

Scanned with CamScanner

مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے چھٹی ہونے کی وجہ سے مقامی اسکولوں کے طلباء بھی ایک کثیر تعداد میں نظر آرہے تھے۔ طلباء نے عبدالرحمٰن صاحب کی سربراہی میں ایک روز پیشتر ہی تمام انتظام وانصرام سنبھال لیا تھا گھاس پھوس کاٹ دی گئی تھی بڑی شاہراہ اور چھوٹی گلیوں کی صفائی بھی ہو چکی تھی۔ اشیائے خورد ونوش کی فراہمی ممکن بنانے کیلئے پھلوں اور مشروبات کے ٹھیلوں کے علاوہ عارضی ہوٹل بھی کھول دیا گیا تھا تواضع کرنے والے خدمت گار لڑکوں نے پرانی وضع کی چادریں، تہمد اور پگڑیاں بھی باندھ رکھی تھیں اس طرح چائے اور لسّی کے ساتھ ساتھ ثقافتی رنگوں کی آمیزش بھی لوگوں کی تفریح طبع کا باعث بنی۔ پسِ منظر میں اک تارا اور مٹی کے گھڑوں پر ساز بجانے والے نوجوان بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

شہر کی گشت کے لیے طلباء کا ایک حربی دستہ بھی خاص طور پر تیار کیا گیا تھا انہوں نے قدیم فوجی لباس زیبِ تن کر رکھا تھا اور ہاتھوں میں تیر کمان اور لمبے لمبے نیزے اٹھا رکھے تھے جب یہ لوگوں کے ہجوم کے قریب سے گذرتے تو خوب تالیاں بجتیں۔

ہاتھ سے گھومنے والی پتھر کی چکیاں بھی عجائب گھر کے عملے نے فراہم کر دی تھیں جن پر چند طالبات گندم پیستی نظر آئیں ان کا لباس بھی قدیم دور کا غماز تھا لڑکیاں ساڑھی نما چادریں لپیٹے ہوئے تھیں بالوں کو کس کر جوڑے کی شکل دے رکھی تھی بعض نے مینڈھیاں بھی بنائی تھیں اور ہاتھوں میں کانچ کی موٹی موٹی چوڑیاں پہن رکھی تھیں ان کی انگلیوں میں سیسے کی بنی ہوئی انگوٹھیاں، گلے میں ہار اور کمر کے گرد مختلف زیورات بھی نمایاں تھے۔

کمہار اور لوہار کے ہتھیار اور اوزار بھی دیکھے جا سکتے تھے مٹی کے برتن بھی عجائب گھر کے عملے نے سجا رکھے تھے جن پر کالی پالش کا کام بھی دکھایا گیا تھا۔ مٹی کے پکائے ہوئے مختلف کھلونے بھی خاص طور پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ جن میں بیل گاڑیاں، ہاتھی اور

Scanned with CamScanner

شیروں کے مجسمے قابلِ دید تھے۔

یہ شہر چھٹی صدی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی قبل مسیح تک مختلف سماجی، معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں سے گزرا تھا۔ ابتداء میں یہاں ہندوؤں کا عمل دخل رہا پھر زرتشت کے ماننے والوں کی عملداری رہی بعدازاں جین مت اور بدھ مت نے اس کی جگہ لے لی حکمرانوں نے بھی اپنے آپ کو مقامی مذاہب کے ساتھ متصادم ہونے سے محفوظ رکھا یوں بیرونی عوامل کے عمل دخل سے جو معاشرتی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں انہیں لوگوں کے علم میں لانے کیلئے چند طلباء کو جوگیوں اور بھکشوؤں کے لباس میں پیش کیا گیا انہوں نے اپنے جسم پر بسنتی رنگ کی چادریں لپیٹ رکھی تھیں سر سے گنجے اور پاؤں سے ننگے تھے گلے میں منکوں کے ہار اور ٹھوٹھے بھی لٹکا رکھے تھے ایک جگہ آگ کا الاؤ روشن کر کے آتش پرست دکھائے گئے تھے۔

اس ثقافتی شو میں چند غیر ملکی سیاح بھی گہری دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے کچھ لوگ تصویریں بنا رہے تھے ایک انگریز تو باقاعدہ متحرک کیمرہ سنبھالے تصویریں اتارنے میں جُتا تھا اس کے چہرے سے خوشی دمک رہی تھی اور وہ نہایت چابک دستی سے مناظر فلم بند کر رہا تھا۔

دوپہر ڈھلنے سے قبل ایک بگھی وہاں آ کر رکی اور اس میں سے ایک بدیسی نوجوان خاتون شاہانہ ٹھاٹھ سے برآمد ہوئی تمام نظریں اس کے تعاقب میں لپکیں اس نے لوگوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور جس سمت منتظمین کھڑے تھے ان کی جانب لپکی ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے اگلی نشستوں پر براجمان ہو گئے۔

اس کا نام الزبتھ تھا وہ مقدونیہ (Macedonia) کے قدیم شہر بیلا کی رہنے والی تھی سکندرِ اعظم کا تعلق بھی اسی خطے سے تھا الزبتھ یونانی فاتح کے ان راستوں کو کھوجنے نکلی تھی جہاں اس نے دنیا کو فتح کرتے ہوئے سفر کا انتخاب کیا تھا۔ الزبتھ ایک مکمل دستاویزی فلم

Scanned with CamScanner

تیار کر رہی تھی وہ سکندر اعظم کی زندگی کے ماضی کے وہ لمحات اور مناظر فلمانا چاہتی تھی جب وہ اپنی نو بیاہتا ایرانی دلہن رخسانہ کے ہمراہ پہلی مرتبہ ٹیکسلا میں وارد ہوا تھا۔

الزبتھ کو جب اس ثقافتی پروگرام کی خبر ملی تو وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ فوراً وہاں پہنچ گئی ماسٹر عبدالرحمن صاحب نے بھی اس اچھوتے خیال پر مسرت کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ مل کر معاملات طے کرنے لگے الزبتھ کی رائے میں ملکہ رخسانہ کے کردار کیلئے وہ خود موزوں تھی جبکہ سکندرِ اعظم کا رول ادا کرنے کے لئے ایک مناسب خدو خال کے حامل نوجوان کا انتخاب کرنا تھا۔

میری اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب ماسٹر عبدالرحمن صاحب نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا مگر اب قرعہ میرے نام نکل چکا تھا۔

الزبتھ نے قدیم شاہی لباس کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا مجھے ایک اسکرٹ نما قمیض پہننے کو دی گئی شلوار محض گھٹنوں تک لمبی تھی۔ پاؤں میں چمڑے کے کھلے جوتے تھے اور سر پر سنہرے پھولوں کی بیل کا دھاتی تاج تھا بازو اور گھٹنے ننگے تھے کمر میں تلوار حمائل تھی شانوں پر چادر جھول رہی تھی جبکہ کمر میں پٹکا کس دیا گیا۔ میں اللہ کا نام لے کر بگھی میں سوار ہو گیا۔ زیورات اور خوشبوؤں سے لدی ہوئی الزبتھ بھی میرے برابر آ کر بیٹھ گئی اس نے بھی پھولوں کی پتیوں والا دھات کا بنا ہوا تاج پہن رکھا تھا اور اپنے اردگرد سرخ رنگ کی دبیز شال لپیٹ رکھی تھی اب ہم قدیم تاریخ کے اس دور میں داخل ہونے جا رہے تھے جب 326 قبل مسیح میں سکندر اعظم نے پہلی مرتبہ اپنی فوج کے ہمراہ ٹیکسلا کی سرزمین پر قدم رکھا تھا جہاں مقامی حکمران راجا امبھی نے اس کے اعزاز میں ایک عظیم الشان اور انتہائی پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ جنگ لڑے بغیر ختم ہو چکی تھی!!! فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ آج ایک

Scanned with CamScanner

بار پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ میں سکندر اعظم کی نشست پر براجمان تھا ملکہ رخسانہ میرے ساتھ بیٹھی تھی اور ہمارے استقبال کیلئے گویا پورا شہر امڈ آیا تھا سبک رفتار گھوڑے بگھی کو کھینچ رہے تھے۔ چند نوجوان جنہوں نے سپاہیوں کا روپ دھار رکھا تھا ہمارے دائیں بائیں چل رہے تھے راستے کے دونوں اطراف میں طلباء بچے اور تماشائی فضا میں زیتون کی شاخیں لہرا کر استقبال کر رہے تھے مجھے اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا تمام دنیا قدموں تلے تھی اور میں سچ مچ اپنے آپ کو فاتح عالم تصور کر رہا تھا۔

اس تاریخی اور ثقافتی میلے کا چرچا مدتوں زبانِ زدِ عام رہا اخبارات میں بھی بہت کچھ لکھا گیا عبدالرحمٰن جیسے کُہنہ مشق اور ذہین استاد کی خدمات کے اعتراف میں انہیں مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔

لڑکپن کے حسین دن، ماہ و سال کی گردش میں گم ہو گئے آج اس واقعے کو پیش آئے ایک مدت بیت چکی ہے۔ مگر اب بھی بحیرہ روم سے آنے والی ہوائیں جب ان انگاروں سے راکھ جھاڑتی ہیں تو ماضی کی حسین یادیں چنگاری بن کر دوبارہ سلگنے لگتی ہیں اور میں گندھارا کی قدیم راجدھانی بھڑ ماؤنڈ کی سیر کو نکل جاتا ہوں۔ چاندنی رات میں ویران اور سنسان راستوں پر گھومتے ہوئے مجھے اپنے ہاتھوں پر کوئی نرم و گداز سا لمس محسوس ہوتا ہے اور پھر اگلے ہی لمحے اپنے آپ کو سکندر اعظم کے روپ میں جنگی رتھ پر بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں ایک جانب نازک اندام سی ملکہ رخسانہ بھی سمٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ پسِ منظر میں طربناک موسیقی کا شور سنائی دیتا ہے اور پھر وقت کے سبک خرام گھوڑے شاہی بگھی کو کھینچتے ہوئے اس دور میں لے جاتے ہیں جہاں زندگی کیف و انبساط کی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ محوِ رقص نظر آتی ہے۔ اور سُموں سے اٹھنے والی دھول تمام گرد و پیش کو اپنے دبیز آنچل میں ڈھانپ لیتی ہے!!!!۔۔۔۔

Scanned with CamScanner

دوسروں والے عقاب کا شہر

Scanned with CamScanner

دفتر کی باگ ڈور سنبھالتے ہی پہلا کام جو مجھے تفویض ہوا وہ ایک جدید اور نئے شہر کا تعمیراتی منصوبہ تھا۔ مجھے افسرانِ بالا کی جانب سے خاص طور پر ہدایت کی گئی کہ یہ شہر ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ ہونا چاہیئے۔ اس کی تکمیل کیلئے تمام ممکنہ وسائل استعمال کرنے کی کھلی اجازت بھی دی گئی۔ یقیناً یہ کڑی آزمائش کا وقت تھا اور میں اپنی تمام ترفنی مہارت کو کام میں لانے کیلئے کمر بستہ ہو گیا۔

میری خواہش تھی کہ تاریخی شہر ٹیکسلا کے مضافات میں واقع ہونے کی وجہ سے اس مثالی اور جدید منصوبے میں قدیم دور کی طرزِ تعمیر کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے تا کہ یہ شہر اپنی پہچان اور انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے قدیم اور جدید فنِ تعمیر کا حسین امتزاج ثابت ہو چنانچہ اس غرض سے میں نے ریلوے اسٹیشن ٹیکسلا سے تقریباً ایک کلومیٹر دور واقع پہلوی اور یونانی تہذیبوں میں پھلنے پھولنے والے قدیم شہر سرکپ کے تفصیلی معائنے کا پروگرام ترتیب دیا اور تکنیکی معاونت حاصل کرنے کے لئے عجائب گھر کے نگران سے ملنے ان کے دفتر پہنچ گیا۔

Scanned with CamScanner

منفرد طرزِ تعمیر کی وجہ سے ٹیکسلا کا عجائب گھر اپنا ثانی نہیں رکھتا۔اس کی بناوٹ میں قدیم ثقافتی قدروں کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔اس عظیم الجثہ عمارت کو چونے کے سیاہ پتھر تراش کر اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ اوپر جاتے ہوئے اس کے چاروں کونے ایک خاص زاویے سے اندر کی جانب جھکتے چلے جاتے ہیں۔جبکہ داخلی دروازے کے اطراف میں مصفا ریتلے پتھروں کو نہایت دلکش اور دیدہ زیب ترتیب سے سجا کر یونانی طرزِ تعمیر کو آزمایا گیا ہے۔بیرونی دیواروں پر عشق پیچاں کی بیلوں نے قبضہ جما رکھا ہے اور ڈھلوانی چھت کھپریل کی نالی دار ٹائلوں سے ڈھکی ہوئی ہے عجائب گھر کی اندرونی تزئین و آرائش بھی نہایت دلکش ہے۔چاروں جانب کے چوبی ستون کورنتھین طرز سے مشابہ ہیں۔ساگوان کی الماریوں میں قدیم زمانے میں استعمال ہونے والے مٹی اور کانسی کے برتن،اوزار اور دیگر کئی گھریلو اشیاء کی ایک خاص ترتیب سے سجاوٹ کی گئی ہے اس کے علاوہ مہاتما گوتم بدھ اور اس کی زندگی کے مختلف واقعات کی کہانیاں پتھروں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔یقیناً اس سنگی کتب خانے کو ایک خوبصورت لائبریری سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس میں قدیم دور کے تاریخی حقائق حرف بحرف محفوظ ہیں۔

عجائب گھر کی عمارت کے بیرونی جانب دیدہ زیب باغات، وسیع و عریض لان، فوارے اور موسمی پھولوں سے لہلہاتی ہوئی کیاریاں ہیں جن کے درمیان پیدل چلنے والوں کیلئے پختہ روشیں تعمیر کی گئی ہیں پائیں باغ میں تاریخی اہمیت کا حامل پیپل کا ایک درخت لگا ہے یہ دراصل اس مقدس درخت کی پھوٹ ہے جس کے نیچے مہاتما گوتم بدھ نے نروان حاصل کیا تھا۔

عجائب گھر کے نگران عبدالحلیم صاحب اپنے نام کی طرح ملنسار اور حلیم الطبع نکلے میں نے جب ان سے اپنی تعمیراتی کمپنی کے نئے شہری منصوبے کا تذکرہ کیا اور اس سلسلے میں اپنی

Scanned with CamScanner

ترجیحات بیان کیں تو انہوں نے بے حد مسرت کا اظہار کیا اور ہر ممکن معاونت کی یقین دہانی کرائی اگلے چند روز میں ایک غیر ملکی وفد کی آمد متوقع تھی چنانچہ ان کے ساتھ ٹیکسلا کے دوسرے قدیم شہر "سرکپ" کی سیر کا پروگرام ترتیب دے دیا گیا۔

چائے نوش کرتے ہوئے میں نے حلیم صاحب سے "سرکپ" نام کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو وہ کہنے لگے کہ قدیم زمانے میں سیالکوٹ کے راجا رسالو اور سات راکشسوں کی ایک لوک کہانی مشہور تھی یہ چار بہنیں (کپی، کلپی، منڈا اور ماندھی) تھیں جن کے تین بھائی سرکپ، سرسکھ اور امبا تھے یہ راکشس دریائے جہلم کے مغربی جانب مانک پور نامی گاؤں میں رہتے تھے ایک روز راجا رسالو شہر کی سیر کو نکلا تو اس نے ایک خاتون کو دیکھا جو کبھی ہنستی اور کبھی روتی تھی۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کے اکلوتے بیٹے کی جان کو خطرہ ہے راجا رسالو نے بڑھیا کو تسلی دی اور تمام راکشس ہلاک کر ڈالے اور خود سرکپ کی بیٹی ''کوکلا'' سے شادی رچالی۔ اس دیومالائی کردار کے نام پر یہ شہر "سرکپ" کہلاتا ہے۔ میں نے قیمتی معلومات فراہم کرنے پر حلیم صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اُٹھ کر چلا آیا۔

تین چار روز کے بعد حلیم صاحب کا فون آ گیا انہوں نے مجھے فوراً دفتر پہنچنے کی ہدایت کی۔ غیر ملکی سیاح بھی تشریف لا چکے تھے میرے آتے ہی کارواں منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

ٹیکسلا کا مدینۃ الثانی ''سرکپ'' عجائب گھر سے محض پندرہ منٹ کی دوری پر واقع ہے حلیم صاحب تمام مہمانوں کے ہمراہ شہر کی حفاظتی دیوار پر چڑھ گئے بلندی سے طائرانہ نظر ڈالتے ہی انہوں نے اپنا پیشہ ورانہ لبادہ اوڑھ لیا اور گزشتہ تاریخ کے اوراق الٹنے لگے۔

''سرکپ دوسری صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک آباد رہا۔ یہاں بالترتیب باختری یونانی، ساکا (سیتھین)، پہلوی اور کشان حکمرانوں کی عملداری رہی۔ پرانا شہر

Scanned with CamScanner

30 عیسوی کے لگ بھگ آنے والے خوفناک زلزلے میں تہس نہس ہو گیا۔ موجودہ شہر پہلی صدی عیسوی کے ساکا اور پہلوی حکمرانوں کا تعمیر کردہ ہے جس میں یونانی ذوق کی واضح جھلک موجود ہے نئے شہر کو شطرنجی طرز پر بنایا گیا جس کا ڈھانچہ اقلیدسی اصولوں پر استوار تھا بڑی شاہراہ شہر کے مرکز سے گزرتی تھی جو 30 فٹ چوڑی تھی اور اس کا رخ شمالاً جنوباً تھا۔ تقریباً 120 فٹ کے برابر فاصلوں پر متعدد گلیاں اسے شرقاً غرباً کاٹتی ہوئی گزرتی تھیں۔

سرکپ شہر ایک ہموار اور نسبتاً اونچے میدان پر بسایا گیا تھا نکاسئ آب، پختہ نالیوں اور صفائی کے لئے ایک مثالی نظام موجود تھا۔ چھوٹی گلیوں کا تمام پانی نالیوں میں سے ہوتا ہوا مرکزی شاہراہ کے ساتھ ساتھ شمالی صدر دروازے کی پختہ پُلی کے نیچے سے باہر نکل جاتا تھا۔ شہر کے شمال مشرقی جانب گاؤ نالا بہتا تھا جبکہ جنوب مشرقی جانب پہاڑوں کا قدرتی حصار موجود تھا جسکے عقب میں دھمرا ندی بہتی تھی بیرونی حملہ آوروں کی یورش سے بچنے کیلئے شہر کے اردگرد '۲۱' فٹ چوڑی اور '۳۰' فٹ بلند فصیل تعمیر کی گئی تھی تراشیدہ پتھروں کی یہ مضبوط دیوار کم وبیش 3½ میل لمبی تھی اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پشتے بنا کر اسے مزید مضبوط کر دیا گیا تھا۔ حفاظتی نقطۂ نظر سے پولیس چوکیاں بھی موجود تھیں۔ شہرِ پناہ کا آغاز شمالی صدر دروازے سے ہوتا تھا جو جنوب مشرقی پہاڑی سلسلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی۔ جنوب غربی جانب بہنے والی دھمرا ندی بھی اس شہر کی حدود کا تعین کرتی تھی یہ فصیل ایک لمبا چکر کاٹ کر دوبارہ شمالی صدر دروازے سے آن ملتی تھی۔ مرکزی شاہراہ کے شمالی اور جنوبی دروازوں کی طرح مشرقی اور مغربی سمت کو جانے والے درمیانی مرکزی راستے کے دونوں سروں پر بڑے گیٹ موجود تھے۔ مغربی راستہ دھمرا ندی کو جا نکلتا تھا جہاں سے نہری پانی کی ترسیل ممکن ہوتی تھی شاید اس ندی کی موجودگی کی وجہ سے شہر میں کنوئیں کے آثار نہیں ملے پوری آبادی میں صرف شمالی دروازے کے ساتھ دو پختہ کنوؤں کا وجود پایا گیا ہے یہ

Scanned with CamScanner

مہمانوں کیلئے یا شاید آنے جانے والوں کی پیاس بجھانے کے کام آتے تھے"۔

میرے ذہن میں فوراً خیال آیا کہ پانی پلانے کا یہ قدیم رواج تو آج کے معاشرے میں بھی جوں کا توں موجود ہے۔ اکثر لوگ اپنے گھروں کے باہر پانی سے بھرے مٹکے رکھ دیتے ہیں جہاں راہ گیر اور مسافر وغیرہ اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور گھر والوں کو دعاؤں سے نوازتے ہیں۔

حلیم صاحب نے اپنی بات جاری رکھی۔۔۔۔۔۔

"حضرت عیسیٰؑ کے حواری سینٹ تھامس کی پہلوی حکمران گونڈوفریز سے ملاقات اسی شہر میں ہوئی تھی والئی ٹیانا اپالونیس نے بھی ۴۴ عیسوی کے لگ بھگ یہاں قدم رکھا اس نے سرکپ کو عراق کے مشہور شہر نینوا کے ہم پلہ قرار دیا تھا"۔

حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر مغربی سیاح چونکے اور ان کی دلچسپی میں مذہبی عقیدت کا رنگ بھی جھلکنے لگا۔ حلیم صاحب نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا اور چلتے چلتے بڑی شاہراہ پر نکل آئے۔

"اس شاہراہ کے دونوں جانب بازار تھے جو کہ شہر کی تجارتی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ دکانیں عموماً یک منزلہ تھیں جن کے سامنے بلند چبوترے اور تنگ برآمدے تھے۔ دکانوں کی پچھلی جانب مندر اور رہائشی مکانات تھے۔ بلند و بالا مندروں کے خوبصورت چھترے اور دھوپ میں چمکتے ہوئے سنہرے کلس دکانوں کی چھتوں سے جھانکتے نظر آتے تھے۔ مکانات عموماً دو منزلوں پر مشتمل تھے زمینی منزل تہہ خانے کی مانند آدھی زیرِ زمین تھی مکانوں کو پلستر کرنے کے بعد مختلف رنگوں سے سجایا جاتا تھا گھروں کے دروازے بغلی گلیوں میں کھلتے تھے۔ حفاظتی اقدامات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے محافظوں کے گھر فصیل کے ساتھ ساتھ بنائے گئے تھے۔ مذہبی آزادی کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس شہر میں تمام مکاتبِ فکر کی عبادت گاہیں موجود تھیں شہر میں داخل ہوں تو سب سے پہلے

Scanned with CamScanner

جین مندر آپ کا استقبال کرتا ہے۔ چند قدم آگے بدھوں کا گریہا مندر ہے یہ محرابی مندر بھی کہلاتا ہے۔ اس کے اطراف میں دوہری دیوار تھی جن کے درمیان پجاریوں کے چلنے کا راستہ تھا بیرونی دیوار میں ہوادان تھے اس گول مندر کی چھت ڈاٹ نما تھی جو لکڑی اور لوہے سے بنی تھی۔ بڑا دروازہ مرکزی شاہراہ پر کھلتا تھا اس سے روشنی اندر آنے کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ سیڑھیوں کی بناوٹ ہخامنشی عہد کے ایرانی شہر پرسی پولیس (تختِ جمشید) سے مشابہ ہے اس مندر کی سیڑھیوں کا نمونہ تاج محل آگرہ کے زینوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

حلیم صاحب نے ایک ایسا اسٹوپ بھی دکھایا جس کی تعمیر میں مختلف ثقافتوں کی جھلک واضح نظر آتی تھی یہ دوسروں والے عقاب کا مندر تھا۔ وسطی سیڑھیوں کے دونوں جانب کورنتھین طرز کے مستطیل اور گول ستون تھے ان ستونوں کے درمیان چوکور طاقچے بنے ہوئے تھے۔ دونوں اطراف کے شروع کے طاقچوں میں یونانی طرز کی مخروطی تاج نما چھتیں بنائی گئی تھیں درمیان والے خانوں میں اُوگی طرز کی چڑھاؤ دار نوکیلی ڈاٹیں تھیں جبکہ آخری حصّے کو ہندی طرز کی تورانا ڈاٹ سے مزین کیا گیا تھا ان ڈاٹوں کے اندر کنجور کے پتھر تراش کر دوسروں والے عقاب بنائے گئے تھے اس چوکور مندر کے مرکزی حصے میں کبھی بدھ اسٹوپ کا گول ڈھچر تھا جس کے اوپر تین چھترے اور کلس تھا اسٹوپ کے چبوترے پر چاروں جانب کنجور کے پتھروں کا جنگلہ بھی موجود تھا۔

ٹیکسلا میں دوسروں والے عقاب کی موجودگی کو دلچسپی کا حامل خیال کیا جاتا ہے یہ تزئینی نمونہ اصل میں ہٹی اور بابل کی تہذیبوں (۱۷۵۰ تا ۱۳۰۰ ق م) سے تعلق رکھتا ہے بعد ازاں سیتھی قوم نے اسے اپنا لیا جب ساکا کی ٹیکسلا میں حکومت قائم ہوئی تو دوسروں والا عقاب بھی یہاں آ گیا ٹیکسلا سے یہ عقاب ہندوستان اور سری لنکا کی جانب نقل مکانی کر گیا۔

Scanned with CamScanner

اس شہر کی ایک اور قابلِ ذکر عمارت یہاں کا خوبصورت محل ہے۔اسے سرکپ کے مرکزی حصے میں تعمیر کیا گیا تھا جہاں چاروں جانب سے بڑی شاہراہیں آکر آپس میں ملتی تھیں۔مرکزی ہال کی چھت کو تراشے ہوئے پتھروں کے ستونوں پر کھڑا کیا گیا تھا اندرونی دیواروں پر لکڑی کی منقش چپٹیوں کو سلیقے سے جوڑ کر خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا تھا مغلوں کے محلات کی طرح یہاں بھی دیوانِ عام اور دیوانِ خاص تھے دالان اور غلام گردشیں تھیں ایک بڑا ہال طعام گاہ کے طور پر مخصوص تھا اطراف میں مہمانوں کے کمرے تھے تالاب، غسل خانے اور بیت الخلا موجود تھے خواتین کے لئے رہائشی حصے الگ تھے جہاں عبادت گاہ بھی بنائی گئی تھی اس محل کو تینوں اطراف سے راستے مہیا کیے گئے تھے۔مرکزی شاہراہ پر کھلنے والا راستہ صرف بادشاہ اور امراء کے لئے مخصوص تھا۔یہ محل فنِ تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا اس کا رشتہ دجلہ وفرات کے تہذیبی سلسلے سے جا کر ملتا ہے یقیناً یہ مصر اور شام سے آنے والے ذہین ہنر مندوں کی شبانہ روز محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

حلیم صاحب کی معیت میں سرکپ شہر کے مرحوم باسیوں سے ہماری روحانی ملاقات خوب رہی غیر ملکی سیاح تو خاصے متاثر دکھائی دیتے تھے وہ تمام وقت تصویریں کھینچنے اور نوٹس بنانے میں مگن رہے ادھر میں بھی یونانیوں کے اس ماہرانہ اور اعلیٰ طرزِ تعمیر کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا جس نے سرکپ شہر کی صورت میں آنے والی نسلوں کے لئے خوبصورت اور پرکشش ورثہ چھوڑا تھا۔

حلیم صاحب نے شہر کے تعمیراتی حوالے سے مجھے مفید مشوروں سے نوازا اور رخصت لیتے وقت خاص طور پر ہدایت کی کہ اگر سرکپ شہر کے نکاسئ آب کے منفرد نظام کو سمجھنا ہے تو برسات کے موسم میں یہاں آنا نہ بھولوں۔

اس روز کالے بادل چھائے ہوئے تھے ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی دوپہر پر شام کا

Scanned with CamScanner

گمان ہوتا تھا میں نے دل میں سوچا کہ یقیناً آج بارش ہونے کا امکان ہے کیوں نہ ''سرکپ'' شہر کے کھنڈرات کی جانب نکلا جائے وہاں نکاسئ آب کے مراحل کا چشم دید نظارہ میرے تجزیے کیلئے بہتر ثابت ہوسکتا تھا میں نے زیادہ تامّل مناسب نہ سمجھا اور بیچ والی پگڈنڈی پر پیدل ہی ہولیا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جنوبی گوشے سے شہر میں داخل ہوا اسی اثناء میں شمالی دروازے پر ایک گاڑی آکر رُکی اور اس میں سے چند بھکشو برآمد ہوئے میں سوچنے لگا کہ شاید یہ حضرات بھی میری طرح بے چین طبیعت کے مالک ہیں جو اس خطرناک موسم میں ان خرابوں کی جانب نکل آئے ہیں۔

وہ لوگ صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے اور چند قدم آگے بڑھ کر بائیں طرف مُڑ گئے ان کا رخ جین مندر کی جانب تھا۔ ادھر میں دور تک نظر رکھنے کیلئے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ گیا اس طرح براہِ راست ان کی نظروں میں آنے سے محفوظ تھا۔ یاتریوں اور میرے درمیان شیشم کا ایک دیو قامت درخت بھی حائل تھا جس کی شاخیں اور لمبے تنے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔

میں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اچانک ایک زوردار آواز فضا میں گونجی اور میں ٹھٹھک کر وہیں رک گیا۔ ہوا کا شور بھی سوا تھا اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ بھی کچھ کم نہ تھی اس لئے میں قطعاً کوئی تعین نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ آواز کس سمت سے آئی تھی۔

میں نے دوبارہ کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ کوئی پاٹ دار آواز میں کہہ رہا تھا ''لوگو..... سنو!!.... میں ''وردھمن جنتری پتر مہاویر'' آپ سے مخاطب ہوں۔۔۔ تمہیں ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے کہ ٹیکسلا ایک مقدس سرزمین ہے یہاں آج سے کئی صدیوں قبل پہلے تیرتھنکار ارشابھا آئے تھے جن کے پوتر قدموں کے نشانات کے اردگرد باہو بالی نے ایک عظیم دھرم چکر تعمیر کیا تھا_____ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ خود کو دگمبر اجینی بھی سمجھو اور

Scanned with CamScanner

جب پوتر استھان پر آؤ تو رنگ برنگے ملبوسات کی نمائش کرو؟؟..... سنو! تم میں سے جو حقیقی چیلا ہونے کا دعوے دار ہے مندر میں قدم رکھنے سے پہلے کپڑوں کی قید سے آزاد ہو جائے....''۔

چند لمحوں تک تو وہ لوگ سکتے کے عالم میں کھڑے رہے!!! پھر جب ایک یاتری نے پہل کی تو باقی سب نے بھی اپنے کپڑے اتار کر دھڑا دھڑ پھینکنے شروع کر دیئے اور ننگ دھڑنگ دوڑتے ہوئے جین اسٹوپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ مذہبی اشلوکوں کا جاپ کر رہے تھے۔

زندگی میں اتنے سارے ننگے جسموں کو دیکھنے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔میں نے بار بار آنکھیں ملیں کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ میں نے سن رکھا تھا کہ ہر دوار ہندوستان میں ہر بارہ سال کے بعد دریائے سرسوتی اور جمنا کے سنگم پر کُمبھ میلا لگتا ہے جس میں ننگ دھڑنگ جینیوں کے جتھوں کے جتھے شرکت کرتے ہیں مجھے یوں لگا جیسے ٹیکسلا میں بھی اس میلے کا آغاز ہو گیا ہے اور اس کے انعقاد کیلئے سرکپ شہر کو منتخب کیا گیا ہے۔

میرا تجسس زیادہ دیر برقرار نہ رہا دیکھتے ہی دیکھتے سامنے کے درخت سے ایک شخص نیچے کودا اور زور زور سے قہقہے لگانے لگا!!!اس نے ایک ہاتھ میں میگا فون بھی اٹھا رکھا تھا یہ تمام کارستانی اس شخص کی تھی۔وہاں موجود تمام لوگوں نے اس کے جھانسے میں آ کر کپڑے اتار پھینکے تھے۔جب بھکشوؤں کو اصل حقیقت کا علم ہوا تو اس شخص پر گھونسوں کی بارش کر دی اور پھر جب انہیں اپنے ننگا ہونے کا احساس ہوا تو فوراً کپڑوں کی جانب لپکے اور اپنے اپنے ملبوسات پر پل پڑے میں بھی تیز تیز چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا یہ لوگ انڈیا سے آئے تھے ان میں ہندو، بدھسٹ اور جینی شامل تھے اور جس شخص نے یہ تمام ڈرامہ رچایا تھا وہ ایک ہندو زائر تھا یہ لوگ اسے بیمار سمجھ کر ہوٹل میں ہی چھوڑ آئے تھے ادھر اسے مذاق سوجھا وہ ٹیکسی

Scanned with CamScanner

لے کر ان سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور ایک درخت پر چڑھ کر پتوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ باقی زائرین جب یہاں پہنچے تو اس نے جین مت کے بانی مہاویر کا روپ دھار کر انہیں ننگا ہونے پر مجبور کیا اور اس طرح ان کا خوب مذاق اڑایا۔ ان لوگوں نے شرمندگی چھپانے کیلئے مجھ سے بھی درخواست کی کہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کروں۔ میری یقین دہانی پر انہوں نے شکریہ ادا کیا اور بارش میں بھیگتے ہوئے واپس روانہ ہو گئے۔

اس ہڑبونگ میں یاد ہی نہیں رہا تھا کہ مجھے بارش میں سرکپ شہر کی نکاسی آب کے نظام کا تجزیاتی مشاہدہ کرنا تھا۔ میں مرکزی شاہراہ پر دائیں بائیں نگاہ ڈالتا ہوا جب دوسروں والے عقاب کے مندر کے سامنے سے گزرنے لگا تو مجھے اس کا سر حرکت کرتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے غور سے دیکھا تو یوں لگا جیسے حوادثِ زمانہ دیکھنے کے بعد دوسروں والے عقاب نے زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ مرغِ بادنما کی طرح ہر نئے آنے والے حملہ آور کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا نظر آتا تھا تو دوسری جانب جاتے ہوئے شکست خوردہ حکمران کو بھی اتنی ہی گرم جوشی سے رخصت کرتا رہا تھا۔

اپنی تباہی و بربادی پر نوحہ کناں سرکپ کے باسیوں کو بھی اگر دوسروں والے عقاب کا فلسفۂ حیات سمجھ میں آجاتا تو شاید اس اجڑے ہوئے شہر کا منظر نامہ کچھ مختلف ہوتا !!!!!

Scanned with CamScanner

جِنّوں والی ڈھیری کا اسرار۔۔۔

Scanned with CamScanner

مجھے بچپن سے خوفناک کہانیاں پڑھنے کا شوق رہا تھا۔

اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے چند ہم خیال دوستوں کے ساتھ مل کر ایک خیالی تنظیم کی داغ بیل ڈالی جس کا فرضی نام "بھوت کے پوت" تجویز ہوا۔ ہم پراسرار واقعات پر مبنی شرارتیں ترتیب دیتے اور ان کا الزام جن بھوتوں کے سر تھوپ دیا جاتا۔ اور یار لوگوں پر کوئی انگلی نہ اُٹھاتا اس طرح کیس داخل دفتر ہو جاتا۔

ایک مرتبہ ہم نے رات گئے پیپل کے درخت پر چڑھ کر جلتی ہوئی لالٹین لٹکا دی اس کے بعد لوگ اس درخت کے قریب جانے سے کترانے لگے۔ ایک گھر کے صحن میں کبوتر ذبح کر کے اس کا خون چھڑک دیا اور دوسرے گھر میں بکرے کی دم کاٹ کر پھینک دی اس پر پڑوسیوں میں خوب ٹھنی اور اہلِ محلّہ تماشہ دیکھتے رہے۔ اس طرح ایک روز مری ہوئی بلی نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور لوگ اسے جادوگروں کی کارستانی سمجھے۔ پالتو مرغیوں کا ایک دم غائب ہو جانا تو خیر آئے دن کا معمول تھا۔ ساتھ ہی ساتھ گھروں میں درختوں پر پکے ہوئے پھل

Scanned with CamScanner

بھی بھوتوں کی مرغوب غذا رہی۔

مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے منیلا جانے کا اتفاق ہوا وہاں کے لوگ بھی خاصے ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں ان کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ نے خبیث روحوں کو فلپائن کے دور افتادہ جزائر میں قید کر رکھا ہے اور کبھی کبھی یہ بدروحیں بھٹکتی ہوئی ملحقہ آبادیوں میں بھی آنکلتی ہیں خصوصاً ''ہالوین'' کے تہوار پر بڑے دلچسپ واقعات ظہور پذیر ہوتے ایسے مواقع پر میں بھی دوستوں کے ہمراہ مقامی لوگوں کو خوفزدہ کرنے میں پیش پیش ہوتا۔

فلپائن آئے دن زلزلوں اور سمندری طوفانوں کی زد میں رہتا ہے شاید اسی لئے اکثر گھروں کی دوسری منزل لکڑی کی بنائی جاتی ہیں انہی دنوں وہاں زبردست سمندری طوفان آیا۔ ادھر مجھے شرارت سوجھی میں نے جان خطرے میں ڈال کر دیواریں پھلانگتے ہوئے پچھلی جانب واقع ایک مکان کی چھت کے نیچے گھنٹی لٹکا دی اور نہایت صفائی سے مضبوط دھاگا باندھ کر اس کا دوسرا سرا اپنے کمرے میں لے آیا۔ آدھی رات کو جب بارش زوروں پر تھی اور مکان ہل رہے تھے میں نے دھاگے کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور گھنٹی بجنے لگی۔ گھر والے ہڑبڑا کر بیدار ہوئے انہیں گھنٹی کی آواز پر کسی چڑیل کی پازیب کا گمان ہوا بس پھر کیا تھا ایک دم کہرام بپا ہو گیا۔ ہم بھی وہاں پہنچ گئے اور ان بھوتوں کو خوب بُرا بھلا کہا۔ جنہیں خواہ مخواہ معصوم لوگوں کو چھیڑنے میں مزا آتا تھا۔

گھر والوں نے عامل وغیرہ بلوائے۔ تعویذ گنڈوں سے بھی کام نہ چلا ادھر بھوتوں کی شرارتیں تھیں کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ آخر مجبور ہو کر ان لوگوں نے مکان خالی کر دیا اور پھر وہ گھر بھوت بنگلے کے طور پر مشہور ہو گیا میں جتنا عرصہ فلپائن رہا اس گھر کو کبھی آباد نہ دیکھا۔

Scanned with CamScanner

اپنے ملک واپس آتے ہی پرانے دوست پھر مل گئے اور زندگی میں ہنگامہ خیزی دوبارہ لوٹ آئی۔ میری عدم موجودگی میں انہوں نے ٹیکسلا سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پراسرار مقام ڈھونڈ نکالا تھا جسے "جنوں والی ڈھیری" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ عام لوگوں کی رائے میں یہاں صدیوں سے جن آباد تھے اور خصوصاً رات کے وقت وہاں کسی کو پھٹکنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

''جنوں والی ڈھیری'' دراصل بدھ دور کے قدیم کھنڈرات کا نام ہے جنہیں حال ہی میں ماہرِ آثارِ قدیمہ جناب عبدالغفور صاحب کھدائی کر کے منظرِ عام پر لائے ہیں۔ چنانچہ ہم نے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ان سے ملنے کا فیصلہ کیا ہمیں معلوم ہوا کہ ان دنوں وہ " نکڑے بنگلے "میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

غفور صاحب نے ملاقات میں انکشاف کیا کہ "جنوں والی ڈھیری" کے پراجیکٹ کی کھدائی کے دوران محیّر العقول واقعات پیش آئے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ مزدور بھاگ گئے اور ہمیں کہیں اور سے کارکنوں کا بندوبست کرنا پڑا غرض یہ کہ نہایت نامساعد حالات سے گزر کر کھدائی کا کام مکمل ہوا۔

''نکڑا بنگلہ'' ٹیکسلا سے خان پور جاتے ہوئے جولیاں گاؤں کے چوراہے پر واقع ہے جہاں سے ایک کچا راستہ "جنوں والی ڈھیری" کی جانب نکلتا ہے۔ سر جان مارشل نے یہ بنگلہ ٹیکسلا اور اس کے اطراف میں پھیلے ہوئے آثار قدیمہ کی کھدائیوں کی نگرانی کیلئے بنوایا تھا۔ تمام تحقیقی کام وہ یہیں بیٹھ کر انجام دیتے۔ جان مارشل کے زیرِ استعمال رہنے والا تمام فرنیچر آج بھی وہاں جوں کا توں دھرا ہے اور بنگلے کے کشادہ صحن میں اس کے ہاتھوں سے لگے سنبل کے درخت آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عبدالغفور صاحب کے چند

Scanned with CamScanner

دوست بھی ان کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے پہلے سے ہی ٹیکسلا کے تیسرے قدیم شہر ''سرِ سکھ'' کی سیر کا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔ غفور صاحب نے ہمیں بھی ''جنوں والی ڈھیری'' لے چلنے کا عندیہ دیا اس طرح ہم سب اکٹھے ہی نکل کھڑے ہوئے ہماری پہلی منزل ''سرسکھ'' تھی۔

عبدالغفور صاحب اپنے ماہرانہ انداز میں ٹیکسلا کے تیسرے شہر پر روشنی ڈالنے لگے۔

''سرکپ شہر پہلی صدی عیسوی کے اولین دور میں آنے والے ہولناک زلزلے سے تباہ و برباد ہو گیا تھا رہی سہی کسر طاعون نے پوری کر دی اور آدھی آبادی اس موذی مرض کی بھینٹ چڑھ گئی۔ پہلوی حکمرانوں نے پرانی بنیادوں پر ہی شہر کا نیا ڈھانچہ استوار کیا مگر جب کشان حکمرانوں کا دور آیا تو انہوں نے شاید انہی تمام وجوہات کی بنا پر اپنا ایک الگ شہر بسانے کا منصوبہ تیار کیا اور اس مقصد کیلئے سرکپ شہر کے شمال مشرقی جانب تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر لنڈی نالے اور دریائے ہرو کے درمیان "سرسکھ" شہر کی بنیاد رکھی۔

وائما کیڈفیزیز نے 78ء میں پہلویوں سے حکومت چھینی تھی۔ سرسکھ شہر کی تعمیر کا سہرا بھی اسی کے سر ہے کشان حکمرانوں نے اس شہر کی تعمیر وسطی ایشیائی ریاستوں کے مروجہ روایتی اصولوں کے مطابق کی۔ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ بنانے کیلئے 4500 فٹ لمبائی اور 3300 فٹ چوڑائی میں پھیلے شہر کے لئے پتھروں کی ایک مستطیل نما فصیل بنائی گئی تھی۔ جنوب مغربی جانب سے گزرنے والا لنڈی نالا بھی اس کے دفاع کا قدرتی ذریعہ تھا۔ شہر پناہ کی تعمیر میں بڑے حجم کے مقامی طور پر دستیاب سنگِ سیاہ استعمال میں لائے گئے جنہیں پتھروں کے چھوٹے چھوٹے قتلے تراش کر ردے واری ترتیب سے پھنسایا گیا تھا۔ یہ دیوار اٹھارہ 18 فٹ سے زائد چوڑی تھی جس کے باہر کی جانب گول پشتے تعمیر کیے گئے تھے۔

Scanned with CamScanner

بیرونی دیوار میں تقریباً نوّے 90 فٹ کے برابر فاصلے پر راستے بنائے گئے تھے جن کے آگے نیم دائروں کی شکل میں برج تھے ان میں تیر اندازی کے لئے سوراخ چھوڑے گئے تھے یہ سوراخ دفاعی نقطۂ نظر سے اندر کی جانب سے تنگ تھے اور باہر جاتے ہوئے بتدریج کھلتے جاتے تھے۔ ان پناہ گاہوں کے فرشوں کو چونا ریت اور بجری کی کنکریٹ بنا کر کوٹ کوٹ کر بچھایا گیا تھا اور پانی کی نکاسی کیلئے نالیاں بھی بنائی گئی تھیں۔

شہر کے اندر نہایت محدود پیمانے پر کھدائی کی گئی تھی جسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام علاقہ زرخیز اور نشیبی زمینوں پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ گاؤں میر پور، توفکیاں اور پنڈ گاکھڑا وغیرہ اسی قدیم شہر کی بنیادوں پر آباد ہیں"۔

ہمارے لئے یہ ایک نیا انکشاف تھا!! عبدالغفور صاحب بات مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگے؛

"توفکیاں گاؤں کے نزدیک چند عمارتوں کی کھدائی ممکن ہوسکی ہے ان کی طرزِ تعمیر سے پتا چلتا ہے کہ گھر وسیع و عریض صحن پر مشتمل تھے جبکہ کمرے ان کے اطراف میں بنائے جاتے تھے۔ سامنے ہوادار برآمدے تھے جن کی چھت ستونوں پر کھڑی کی گئی تھی۔ گودام بنانے کا رواج بھی عام تھا ایک گودام میں سے مٹی کے بنے ہوئے بڑے بڑے مرتبان بھی دریافت ہوئے ہیں جو کہ تیل، پانی اور دیگر اجناس رکھنے کے کام آتے تھے۔ اس کے علاوہ مٹی کے برتن، پتھر کا عمارتی سامان، انسانی شکل کے بُت، لوہے، کانسی اور ہڈیوں کا بنا ہوسامان مثلاً میخیں، بالوں کی پنیں، چوڑیاں، انگوٹھیاں اور مختلف اقسام کے قیمتی ہار بھی برآمد ہوئے ہیں مزید براں مختلف سکّے بھی ملے ہیں۔ یاد رہے کہ وائما کیڈ فیریز ہی نے چاندی کی بجائے سونے کے سکّوں کو رواج دیا تھا۔

Scanned with CamScanner

اس شہر میں کنشک اور ویسودیو جیسے قد آور حکمرانوں کی حکومت رہی کشان کے عہد میں ہی موہڑہ مرادو، بادل پور، پپلاں، جولیاں اور دیگر کئی ایک خانقاہوں اور درس گاہوں کی تعمیر و ترقی ہوئی اور گندھارا آرٹ خوب پھلا پھولا۔ یہ شہر دوسری صدی عیسوی سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک آباد رہا اور ٹیکسلا کی دوسری آبادیوں کی طرح اسے بھی سفید ہُنوں نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی"۔

عبدالغفور صاحب کے چہرے پر کرب کے آثار ہویدا تھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ خونریز واقعات ان کی نظروں کے سامنے وقوع پذیر ہوئے تھے۔

"جنوں والی ڈھیری" کا تذکرہ سن کر غفور صاحب کے مہمان بھی خاصے متجسس تھے چنانچہ واپس جانے کی بجائے وہ بھی ہمارے ساتھ وہاں چلنے پر تیار ہو گئے ڈھیری پر پہنچنے کیلئے پختہ سڑک پنڈ گاکھڑا گاؤں سے ہو کر گزرتی تھی یہ گاؤں ٹیکسلا سے محض آدھے گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے اور سرسکھ سے پہلے آتا ہے چنانچہ ہمیں ایک بار پھر واپسی کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔

"جنوں والی ڈھیری" کے راستے کے دونوں جانب مالٹے، لیچی، امرود اور لوکاٹ کے باغات کی بھرمار تھی جابجا پرندے اپنی سریلی آوازوں میں نغمے گنگنا رہے تھے تتلیاں اُڑتی پھر رہی تھیں جنہیں ننھے منے بچے ہاتھوں سے پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ عبدالغفور صاحب نے بھی سفر کی تھکان اتارنے کیلئے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ مغنیہ نغمہ سرا تھی

وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے
وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے

Scanned with CamScanner

غفور صاحب ٹیکسلا کے شاندار ماضی کی رنگین بھول بھلیوں میں بھٹکے ہوئے تھے ادھر ہم اپنے خیالات میں غلطان جنات سے پنجہ آزمائی کی منصوبہ بندی کر رہے تھے پنڈ گاکھڑے کو پیچھے چھوڑتے ہی جونہی گاڑی نے ایک موڑ کاٹا سامنے چوبی تختی پر نظر پڑی جس پر جلی حروف میں "جنوں والی ڈھیری" درج تھا۔ اور نیچے تیر سے سمت کی نشاندہی بھی کر دی گئی تھی۔ ہم وین سے چھلانگیں مارتے ہوئے نیچے اُترے۔ ہماری نظروں کے سامنے زیرِ زمین ایک خوبصورت اسٹوپ موجود تھا اور اس سے چند قدموں کے فاصلے پر خانقاہ بھی نمایاں نظر آ رہی تھی۔

''یہ رہی آپ کی منزل _____ یعنی جنوں والی ڈھیری''!!!

عبدالغفور صاحب کی گونج دار آواز نے ہمارا سحر توڑ دیا۔۔۔۔۔۔ہم ان کے پیچھے پیچھے یوں ہو لیے جیسے بھیڑوں کا ریوڑ کسی گڈریے کی راہنمائی میں سرسبز چراگاہ کی جانب تیزی سے لپکتا ہے۔ ہماری نظریں اِدھر اُدھر جنوں کو ڈھونڈتی پھر رہی تھیں اور غفور صاحب سارے ایڈونچر کو پسِ پُشت ڈال کر، اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر تُلے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں اِس تاریخی جگہ کے زمینی حقائق سے آگاہ کرنے لگے۔

''ان آثار کا تعلق چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی سے ہے یہ کشان عہد میں تعمیر ہوئے خانقاہ کی عمارت نہایت وزنی حجم کے پتھروں کو تراش کر بنائی گئی ہے بیرونی دیواروں کی موٹائی پانچ فٹ ہے یہ خانقاہ سترہ کمروں پر مشتمل تھی۔ ہر کمرے میں روشندان تھے اور مٹی کے چراغ روشن کرنے کیلئے طاقچے بنائے گئے تھے۔ یہ کمرے کشادہ صحن کے چاروں اطراف میں تعمیر کئے گئے تھے ان کے سامنے برآمدے بھی تھے صحن کے بیچ میں پانی کا تالاب تھا جس کا اضافی پانی شمالی جانب سے ایک زیرِ زمین نالی سے باہر نکل جاتا تھا۔

Scanned with CamScanner

سیڑھی کی عدم موجودگی اس بات کی غماز ہے کہ یہ خانقاہ یک منزلہ تھی۔

کبھی خانقاہ کی چھت سے نظارہ کرنے پر خوبصورت چھتر وں والے عظیم الشان اسٹوپ کی چکا چوند سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں کیونکہ سورج اسٹوپ کے داخلی دروازے کی سمت سے طلوع ہوکر اس کے پچھواڑے میں غروب ہو جاتا۔

مذکورہ اسٹوپ کا تانا بانا ٹیکسلا کے آخری دور سے ملتا ہے اور اس کا موازنہ بھالا کے تاریخی آثار سے کیا جاسکتا ہے مگر جہاں تک سیڑھیوں کا تعلق ہے یہ چاروں اطراف کی بجائے محض اسٹوپ کے سامنے سے اوپر چڑھتی ہیں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ مرکزی اسٹوپ کی بتدریج کم ہوتی ہوئی درجوں والی کرسی ٹیکسلا کے دیگر چوکور اسٹوپوں کے فنِ تعمیر کے برعکس مستطیل شکل پر استوار ہے سب سے نچلے حصے میں دندانے دار کارنس کے نیچے برابر فاصلوں پر یونانی طرز کے نیم ستون بنائے گئے اور ان کے درمیان مہاتما گوتم بدھ اور بدھی ستوا کی مورتیاں تھیں جو اب زمانے کی دست بُرد کا شکار ہو چکی ہیں ان مجسموں پر چونا گچ (Stucco) کی استرکاری کے بعد سرخ، نیلا، پیلا اور کالا رنگ بھی چڑھایا گیا تھا اس کے علاوہ یہاں سے استرکاری پر بنی منقش تصویر بھی دریافت ہوئی جو فن مصوری کا منفرد نمونہ ہے اسے بھی ٹیکسلا کے عجائب گھر میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔"

عبدالغفور صاحب نے انکشاف کیا کہ ان علاقوں میں خانقاہ کے فرش کو عموماً اسٹوپ کے صحن کی سطح سے اونچا رکھا جاتا تا کہ بلند و بالا اسٹوپ خانقاہ میں رہائش پذیر بھکشوؤں کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے روحانی تسکین کا باعث بھی بنے۔ چنانچہ اس خانقاہ کا فرش زمین کی سطح کے برابر ہونے کی وجہ سے مرکزی اسٹوپ کو سطح زمین سے خاصا نیچے بنایا گیا ہے۔ اسٹوپ کے اطراف کا تمام صحن پختہ تھا جس میں دریا کی

Scanned with CamScanner

بجری اور مصفا پتھروں کو جوڑ کر استعمال کیا گیا تھا جبکہ کناروں کی عمودی مٹی کو گرنے سے بچانے کیلئے پتھروں کی مضبوط چار دیواری موجود تھی جس میں سامنے کی طرف کورنتھین نیم ستون ہیں اور اوپر والے طاقچوں میں مہاتم گوتم بُدھ اور بدھی ستوا کے نشستی مجسمے سجائے گئے تھے جبکہ داخلی سمت میں تبرکات رکھنے کے کمرے تھے مرکزی اسٹوپ کے سامنے دو بڑے اور پچھلی جانب دو چھوٹی جسامت کے منتی اسٹوپ بھی موجود تھے۔اس کے علاوہ خانقاہ کے صدر دروازے کے دائیں جانب بھی ایک خوبصورت منتی اسٹوپ دریافت ہوا ہے جس کے چاروں جانب شکستہ مجسمے نصب ہیں۔

یوں تو یہ خانقاہ بھی سفید ہُنوں کے ہاتھوں تباہی و بربادی کا شکار ہوئی اور یہاں سے اس عہد کے سکے بھی برآمد ہوئے مگر بعد ازاں بچے کھچے بھکشوؤں کے ہاتھوں تعمیراتی کام نویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔۔۔ بے شک بعد کے دور کا طرزِ تعمیر کوئی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا کیونکہ سرکاری سرپرستی ختم ہونے سے خانقاہوں کا نظم ونسق سنبھالنا انتہائی مشکل ہو چُکا تھا۔تاریخی حقائق سے پردہ کشائی کے بعد عبدالغفور صاحب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جھٹک کر یوں جھاڑا جیسے وہ کسی اہم بارِ امانت سے سبکدوش ہو گئے ہوں۔

جن بھوتوں کی میزبانی سے لطف اندوز ہونے کیلئے ہم رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کر چُکے تھے چنانچہ خانقاہ اور اسٹوپ کے درمیان خالی جگہ دیکھ کر خیمہ گاڑ دیا گیا۔عبدالغفور صاحب نے ہماری ہمت افزائی کی اور واپس جاتے ہوئے ہمیں جولیاں کے چھوٹے سے بازار میں اُتار دیا چند دکانیں ابھی تک کھلی تھیں ہم نے کھانے پینے کی اشیاء خریدیں اور پیدل ہی واپسی کی راہ لی۔

Scanned with CamScanner

دوست احباب نے ہمیں "جنوں والی ڈھیری" کے بھوتوں سے خوب ڈرایا دھمکایا تھا گھر والوں نے بھی خطرات مول لینے سے منع کیا تھا۔ مگر اعظم، اصغر اور ہادی بھلا کب باز آنے والے تھے ادھر میرا حال بھی کچھ ان سے مختلف نہیں تھا۔ دراصل ہم سب اس خیال سے متفق تھے کہ یہ ضرور گاؤں کے ان نوجوانوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے جو ہماری طرح چھیڑ چھاڑ کر کے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلاتے ہیں۔ اصغر بضد تھا کہ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تاکہ یہ راز جلد از جلد طشت از بام ہو اور لوگ بھی سکھ کا سانس لیں۔

جب ہم واپس پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کسی نے بے دردی سے ہمارا خیمہ اکھاڑ پھینکا تھا اور دیگر اشیاء بھی ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں ہادی غصّے سے کھولنے لگا اعظم نے لعن طعن بکنا شروع کر دیا۔ ہم نے کونا کونا چھان مارا مگر قرب و جوار میں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔۔۔ دوبارہ خیمہ نصب کیا۔ طنابیں مضبوطی سے کس دی گئیں اور ہم نے ڈھیری کے اطراف میں گشت شروع کر دی۔

رات بھیگ چکی تھی اور سنہری چاندنی کسی حسین رقّاصہ کی طرح پاؤں میں چاندی کے گھنگرو باندھے سنسان جنگل میں ناچتی پھر رہی تھی۔ جھینگروں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا شمالی جانب سڑ دھے کا بلند و بالا پہاڑ، ماؤنٹ فیوجی کی طرح کندھے نیہوڑائے اور سر اٹھائے کھڑا تھا آسمان پر چند بدلیاں بھی آوارہ گردی کر رہی تھیں۔ سرسراتی ہوئی ہوا میں ستارے جھولتے ہوئے چراغوں کی مانند ٹمٹما رہے تھے۔

ہم ہر ناگہانی آفت سے نمٹنے کیلئے تیار تھے۔ اصلی رام پوری چاقو، ڈنڈے اور کوہ پیمائی میں کام آنے والے کلہاڑی نما اوزار بھی ہمارے پاس موجود تھے۔ ہم نے رات باری باری جاگنے کا فیصلہ کیا۔ کافی دیر تک تو آپس میں گپ شپ چلتی رہی پھر خدا جانے کب نیند غالب

Scanned with CamScanner

آ گئی اور ہم تانگے گھوڑے بیچ کر سو گئے۔

آدھی رات کو اچانک کسی کے جھنجھوڑنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ یہ اصغر تھا اس نے سرگوشیانہ انداز میں باہر کسی کی موجودگی کی اطلاع دی۔ تیز ہوا سے خیمہ بری طرح لرز رہا تھا اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں چھت پر آ کر گر رہی تھیں چند لمحوں تک تو کچھ سمجھ میں نہ آیا پھر ہمت جمع کر کے ہم نے ٹارچیں سنبھال لیں اعظم اور ہادی نے ڈنڈوں پر گرفت مضبوط کی۔ اصغر نے اشارہ کیا اور طے شدہ پروگرام کے تحت ہم سب بھاگتے ہوئے خیمے سے باہر نکل آئے اور للکارتے ہوئے اطراف میں روشنی پھینکنے لگے۔ ہم نے چپا چپا چھان مارا مگر وہاں کوئی شے ہوتی تو نظر آتی۔

ہلکی ہلکی بارش بھی شروع ہو چکی تھی موسم مسلسل خراب ہوتا جا رہا تھا۔ جونہی ہم خیمے میں واپس آئے کنکریاں دوبارہ آنی شروع ہو گئیں اب تو ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔۔ اسی اثناء میں بادل زور سے کڑکا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ہم نے جلدی جلدی سامان سمیٹا اور خیمہ اکھاڑ کر اسٹوپ سے متصل کمرے کی جانب بھاگے۔ دروازہ ایک چرچراہٹ سے کھلا۔ ایک جنگلی بلّے نے غرّاتے ہوئے باہر چھلانگ لگائی ہم جلدی سے ایک جانب ہو گئے اور وہ جنگل کی سمت اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا۔ چٹخنی چڑھا کر اندر سے دروازہ بند کر دیا گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا جسے ڈھیری کی کھدائی کے دوران محکمۂ آثارِ قدیمہ والوں نے تعمیر کیا تھا۔

ذرا اوسان بحال ہوئے تو باہر سے کسی نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور ڈھول بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر اچانک یوں محسوس ہوا جیسے مویشیوں کے ریوڑ کھل گئے ہیں جو دائیں بائیں بھاگتے پھر رہے ہیں۔ میں نے دروازے کی کھلی درز سے

Scanned with CamScanner

باہر جھانکا چمکتی ہوئی بجلی میں غور سے دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔ ادھر بوسیدہ دروازے پر طوفانی بارش کے تھپیڑوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا وہ کسی وقت بھی دھڑام سے نیچے گر سکتا تھا۔ ہماری حالت لحہ بہ لحہ غیر ہو رہی تھی اور یہاں مزید ٹھہرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہاں سے قریب ترین پناہ گاہ " نکڑا بنگلہ " تھی کچے راستے سے وہاں جلد پہنچنا ممکن تھا۔ ہم نے اللہ کا نام لے کر دروازہ کھولا اور دائیں بائیں دیکھے بغیر اندھیرے میں دوڑ لگا دی۔

بارش مسلسل ہو رہی تھی بجلی چمکتی تو جھولتے ہوئے درختوں کے سائے خوفناک عفریتوں کی مانند منہ کھولے نظر آتے اور ہماری ہمت جواب دے جاتی۔ ہم گرتے پڑتے نکڑے بنگلے پہنچے اور دروازے کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔ بار بار مڑ کر بھی دیکھ رہے تھے کہ کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا۔

چوکیدار نے دروازہ کھولا اس نے لالٹین کی روشنی میں ہمیں پہچان لیا تھا ہم اس کے ساتھ ہی اندر آ گئے لالٹین بمشکل گرتے گرتے بچی ہم پر اس قدر خوف طاری تھا کہ باہر والا دروازہ اچھی طرح بند کرنے کے باوجود بھی لکڑی کی الماری گھسیٹ کر اس کے سامنے لا کر کھڑی کر دی۔ رفتہ رفتہ اوسان بحال ہوئے اور اپنے آپ کو صحیح سلامت دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ چوکیدار نے جب تمام ماجرا سنا تو اس نے بھی تائید میں سر ہلایا کہ "جنوں والی ڈھیری" میں خبیث جنات کا بسیرا ہے اور اس علاقے میں اکثر حیران کُن اور ماورائے عقل واقعات پیش آتے رہتے ہیں کئی مرتبہ نکڑے بنگلے میں بھی ایسے عجیب و غریب واقعات دیکھنے کو ملے ہیں کہ جن کی سائنسی توضیح ممکن نہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ کوئی بے چین روح ہے

Scanned with CamScanner

جو یہاں بھٹکتی پھرتی ہے۔

چوکیدار کی باتوں سے ایک مرتبہ پھر انجانا سا خوف سرایت کر گیا اور ہم ایک دوسرے کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگے طوفانی بارش کی وجہ سے بجلی غائب ہو چکی تھی اور لالٹیں کی مدھم روشنی میں ہمیں اپنے ہی سایوں سے ڈر سا لگنے لگا تھا سب لڑکوں نے کپڑے اتار کر سوکھنے کیلئے لٹکا دیئے اور خود کوئلے والی انگیٹھی کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔

ہمیں وہاں آئے ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ اچانک کمرے میں ہوا کا تیز جھونکا آیا اور آنجہانی سر جان مارشل کے استعمال میں رہنے والی آرام کرسی زور زور سے حرکت کرنے لگی اور میز پر دھری ہوئی کتاب بھی ایک دم کھل گئی اور اس کے اوراق خود بخود پلٹنے شروع ہو گئے یہ وہی کتاب تھی جو جان مارشل نے ٹیکسلا کے متعلق تحریر کی تھی اور اب عبدالغفور صاحب کے زیرِ مطالعہ تھی۔

اس ناقابلِ یقین واقعہ نے تمام لڑکوں کو ایک بار پھر خوفزدہ کر دیا انہوں نے خوف کے عالم میں ایک دوسرے کے ہاتھ تھام لئے اور دہشت زدہ نظروں سے یہ منظر دیکھنے لگے۔ میں نے یہ کہہ کر ان کا خوف دور کرنے کی کوشش کی کہ شاید کوئی روشندان کھلا رہ گیا تھا جس کی وجہ سے ہوا نے اندر داخل ہو کر یہ کارستانی کی ہے۔

دن کو جب ہماری ملاقات عبدالغفور صاحب سے اس ڈاک بنگلے میں ہوئی تھی تو انہوں نے سر جان مارشل کے حالات زندگی کے حوالے سے بتایا تھا کہ جب زیست کی رعنائیوں سے بھرپور نوجوان جان مارشل نے یونان سے اکتشافاتِ اثریہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ٹیکسلا میں آ کر کھدائیوں کا آغاز کیا (1913ء تا 1934 عیسوی) تو اسے یوں لگا جیسے وہ دوبارہ یونان ہی کو دریافت کر رہا تھا۔ اس علاقے میں یونانیوں نے تقریباً سو سال تک

Scanned with CamScanner

حکومت کی اور اپنی انمٹ تہذیب کے درخشندہ نقوش چھوڑے تھے۔

سر جان مارشل زندگی بھر وادیٔ ٹیکسلا کے ملکوتی حسن کے سحر میں گرفتار رہا۔ جب وہ کھدائیاں مکمل کر کے گلڈفورڈ برطانیہ میں ٹیکسلا کی بائیبل لکھ رہا تھا تو دوسری جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کے دوران تقریباً 400 صفحات پر مشتمل ریکارڈ کہیں گم ہو گیا جس کی وجہ سے بہت سے حقائق قلم و قرطاس کی زینت بننے سے محروم رہ گئے اور اس کا قلق اسے تمام عمر رہا۔

ادھر میں سوچ رہا تھا کہ سر جان مارشل برطانیہ میں مدفون ہے لیکن کیا اس کی روح ابھی تک ٹیکسلا کے خرابوں میں ماری ماری پھرتی ہے وُہ تمام انکشافات جو منظرِ عام پر نہ آسکے تھے کیا آج بھی آنجہانی کے لئے بے چینی کا باعث ہیں۔۔۔۔!!!

Scanned with CamScanner

جنڈیال مندر کے خونخوار گِدھ

Scanned with CamScanner

وہ جگہ تیتر اور جنگلی خرگوشوں کی شکارگاہ کے طور پر مشہور تھی۔

وہاں قریب سے ہی ایک پُر پیچ ندی گُزرتی تھی جس کے اطراف میں کثرت سے خودرو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اونچے اونچے درخت تھے جن کی چوٹیوں پر اکثر گدِھ ٹولیوں کی صورت میں خاموش بیٹھے نظر آتے جونہی انہیں قرب وجوار میں کہیں مردہ جانور کی بھنک پڑتی فوراً اُڑ کر پہنچتے اور پھر چند منٹوں میں گوشت کا صفایا ہو جاتا اس دوران آوارہ کُتوں سے بھی اُن کی آنکھ مچولی چلتی رہتی جو بیچ میں آ کر ان کی ضیافت پر اپنا حق جتانے کی کوشش کرتے تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ یہ علاقہ گدِھوں کے نشیمن کے طور پر بھی پہچانا جاتا تھا گاؤں کے بوڑھوں سے یہ بھی سنا گیا تھا کہ گدِھ یہاں کئی صدیوں سے آباد چلے آتے تھے۔ گذشتہ چند برسوں سے ان کی تعداد میں مسلسل کمی واقع ہو رہی تھی جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مقامی لوگ تعمیرات کیلئے وہاں تلک پہنچ گئے تھے اور اُنہوں نے بے دردی سے درختوں کی کٹائی شروع

Scanned with CamScanner

کر رکھی تھی اس علاقے میں لوگوں کی دلچسپی کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ وہاں جنڈیال کا تاریخی مندر واقع تھا جسے دیکھنے کیلئے اکثر غیر ملکی سیاحوں کا آنا جانا رہتا تھا اور اس طرح روزگار کے کئی ذرائع بھی پیدا ہو گئے تھے درختوں کے جھنڈ میں گھری یہ پُراسرار قلعہ نما عمارت دُور سے بھوتوں کا مسکن معلوم ہوتی یوں تو ماہرِ آثارِ قدیمہ سَر جان مارشل اور دیگر کئی مؤرخوں نے اس تاریخی ورثے پر خاصا تحقیقی کام کیا تھا مگر اب بھی کئی سربستہ راز ایسے تھے جن سے پردہ اُٹھانے کی ضرورت تھی۔

برّصغیر پاک و ہند میں جنڈیال مندر ایک منفرد اور بے مثال اہمیت کی حامل عمارت تصور کی جاتی ہے اِس کا تعمیراتی خاکہ یونان میں واقع اتھینا دیوی کے مشہور پارتھین مندر سے ملتا جُلتا ہے اس کا رُخ شمال کی سمت اُس قدیم شاہراہ کی جانب ہے جو دریائے سندھ سے ہوتی ہوئی گندھارا کے دور دراز علاقوں سے جا کر ملتی تھی۔ 326 قبلِ مسیح میں مشہور فاتح سکندرِ اعظم بھی اس راستے سے ٹیکسلا وارد ہوا تھا اور اس کے ساتھ آنے والے مؤرخوں نے مقامی لوگوں کی جن رسومات کا مشاہدہ کیا اس میں انہوں نے انسانی نعشوں کو جلانے یا دفن کرنے کی بجائے گدِھوں کی خوراک بننے کا تذکرہ کیا تھا۔

جنڈیال کا قدیم مندر ٹیکسلا میوزیم سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اسے مٹی کے ایک اونچے ٹیلے پر تعمیر کیا گیا ہے یونانی طرزِ تعمیر کا شاہکار یہ مندر تقریباً 158 فٹ لمبائی اور 81 فٹ چوڑائی پر مشتمل ہے سامنے کی جانب سرمئی رنگ کے ریتلے پتھروں کے بنے ہوئے دو گول ستون ہیں جو چورس کرسی پر ایستادہ کیے گئے ہیں۔ خوبصورتی سے تراشے ہوئے یہ ستون آیونی مرغول اور برگ و پیکان کے علاوہ مختلف منکوں کے نمونوں سے مرصّع ہیں جبکہ ستونوں کی کرسی کو غلط اور گولوں سے اور بھی نمایاں کیا گیا تھا۔ پتھروں پر کی جانے والی کندہ کاری یونانی فن کا اعلیٰ نمونہ ہے ان کے متوازی دو ستون اور بھی ہیں جن پر چھت کا

Scanned with CamScanner

بوجھ سہارنے کیلئے شہتیر اور کڑیاں جوڑ کر رکھی گئی تھیں جنوبی برآمدے سے داخل ہوں تو سامنے عبادت گاہ ہے جبکہ اسی کمرے کی دونوں جانب بڑی بڑی کھڑکیوں والی ہوا دار راہداری ہے اس سے گزر کر پچھلی جانب جائیں تو وہاں ایک اور پورچ ہے۔ بڑے دروازے سے ڈیوڑھی میں داخل ہوں تو چوڑی سیڑھیاں اوپر والی منزل پر لے جاتی ہیں۔ ایتھنز کے بڑے مندر میں عبادت گاہ اور پچھلے پورچ کے درمیانی حصّہ میں کنواری دیوی اتھینا کا معبد تھا جبکہ جنڈیال مندر میں اس کی جگہ سطح زمین سے لے کر اوپر تک پتھروں سے چنا ہوا ٹھوس چبوترا ہے جس کی بنیاد فرش سے 20 فٹ نیچے ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی گہری بنیاد یقیناً ایک ایسے مینار کے لئے ہی کھودی گئی تھی جس کی بُلندی مندر کی چھت سے خاصی اونچی ہوگی چھت پر جانے کے لئے دو زینے اب بھی سلامت ہیں اس طرح کی مزید سیڑھیاں ذگوراٹ مینار کی طرز پر گھومتی ہوئی اوپر تک جاتی تھیں ان تمام شواہد کی روشنی میں اخذ کیا گیا ہے کہ یہ شاید زرتشتیوں کا خاموش مینار تھا جس پر کبھی مقدس آگ کا الاؤ روشن کیا جاتا تھا کُھدائی کے دوران سیڑھیوں پر سے مٹی کے گارے میں چنائی کی ہوئی چند جلی ہوئی اینٹیں بھی ملی ہیں جو شاید اس مینار کی تباہی کے وقت اوپر سے گری تھیں۔

آیونی طرزِ تعمیر سے پتا چلتا ہے کہ اس مندر کو دوسری صدی قبل مسیح کے لگ بھگ باختری یونانیوں نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی باقیات میں بدھ مت، جین مت یا ہندومت کے متعلق کوئی نشان نہیں ملا البتہ جنڈیال مندر کے بیچوں بیچ عظیم مینار اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسکے بنانے والوں کا تعلق زرتشتی مذہب سے تھا۔

جب مشہور کرشماتی شخصیت کا حامل اپالونیس والئی ٹیانا 44ء میں ٹیکسلا آیا تو اس نے اپنے شاگرد ڈیمس کے ہمراہ اس مندر میں قیام کیا تھا۔ اس وقت یہاں پارتھی حکمران گونڈوفریز کی حکومت تھی اپالونیس نے جنڈیال مندر میں کانسی کے چوکھٹوں میں آویزاں کئی

Scanned with CamScanner

تصاویر کا ذکر کیا ہے جس میں سکندرِ اعظم کی جہلم کے راجہ پورس کے ساتھ لڑائی اور ملاقات کے کئی مناظر بھی تھے ان اعلیٰ نمونوں کی تصویروں میں پیتل چاندی اور سونے کے بنے ہوئے ہاتھی، گھوڑے، سپاہی اور کئی اقسام کا جنگی ساز و سامان دکھایا گیا تھا۔ اس سے بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس دور میں قدیم تاریخ کو تصاویر کی مدد سے ٹیکسلا کے جنڈیال مندر میں محفوظ کر لیا جاتا تھا۔

ایک روز یزد (ایران) سے ہمارے ایک عزیز تشریف لائے انکا نام سہراب مالی ہے وہ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں اور برطانیہ میں ملازمت کرتے ہیں ان کے آباؤ اجداد زرتشتی مذہب کے پیروکار تھے اور اب پانچ نسلوں سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ اُنہیں تاریخ سے خاصا لگاؤ ہے میں نے باتوں باتوں میں جب جنڈیال مندر کا تذکرہ کیا تو وُہ اُسے دیکھنے کیلئے بے تاب ہو گئے۔

اُنہوں نے بتایا کہ کبھی ٹیکسلا سلطنتِ ایران کا باقاعدہ حصّہ رہا تھا۔ جب ہخامنشی شہنشاہی سلسلے کے پہلے حکمران سائرس اعظم (529 - 558 ق م) نے مشرقی جانب سے اپنی سرحدوں کو بڑھانا شروع کیا تو باختر (بلخ) کپسیا (کابل) اور گندھارا جس کا صدر مقام ٹیکسلا تھا کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ مشہور تاریخ دان ہیروڈوٹس کے بقول گندھارا ایرانی سلطنت کا بیسواں صوبہ تھا اور دولت کے لحاظ سے سب سے امیر ترین شمار ہوتا تھا ہخامنشی زرتشت نبی کے ماننے والے تھے جیسا کہ دارائے اول جو کہ سائرس کا پوتا تھا اور اس کے مرنے کے محض آٹھ برس بعد اقتدار پر فائز ہوا تھا کے چند فرامین استخر (شیراز) کے پہاڑی کتبوں میں آج بھی محفوظ ہیں ان میں زرتشت کی تعلیمات کا واضح عکس موجود ہے پتھر پر کندہ ان تحریروں میں خدائے واحد کی بزرگی بیان کی گئی ہے۔ عہد نامہ قدیم کے صحیفوں ارمیا، حزقیال، دانیال اور یسعیاہ میں سائرس کا ذکر متعدد بار ملتا ہے جس میں خدا نے اسے

Scanned with CamScanner

اپنا چرواہا اور نجات دہندہ قرار دیا ہے یہ سائرس ہی تھا جس نے بابل کی فتح کے بعد یہودیوں کو بخت نصر کی قید سے رہائی دلوائی اور بیت المقدس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ خود پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یمن کے زرتشتیوں کے ساتھ اہلِ کتاب کا برتاؤ کیا تھا۔

''لیکن زرتشتی تو آگ پرست ہیں اور زگورٹ مینار بھی اسی سلسلے کی کڑی سمجھا جاتا ہے" میں نے حیرت سے پوچھا!!۔

سہراب مالی نے کڑوی چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہنے لگے ''ایران کا مطلب ہے آریاؤں کی سرزمین! جس طرح انڈین آریا مظاہرِ قُدرت کی عبادت کرتے تھے اس طرح ایران کے لوگوں کے عقائد بھی ان سے ملتے جُلتے تھے جب انہیں سورج کی اہمیت کا اندازہ ہوا تو آگ کی پرستش شُروع کردی یہ لوگ موگوش کہلاتے تھے۔ عربی مؤرخوں نے انہیں موجوس لکھا ہے۔ جب زرتشت کا ظہور ہوا تو اس نے ان تمام فرسودہ روایات کے خلاف ایک پاک خُدا ''آہورمزدا'' کا تصور دیا اور برائی کا منبع شیطان (اہرمن) کو قرار دیا۔ لیکن چوتھی صدی قبل مسیح میں مجوسی مذہب نے دوبارہ سر اٹھایا اور زرتشتی مذہب رفتہ رفتہ زوال پذیر ہونا شروع ہوگیا پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سلسلہ چل نکلا اس نے مقدس آسمانی کتاب ''اوستا'' کے نسخے جلا ڈالے اور زرتشتی مذہب کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ بعدازاں جب ساسانیوں نے اپنی حکومت قائم کی تو ان کے عہد کا سرکاری مذہب قدیم مجوسیت، زرتشتیت اور یونانی اثرات کا ملغوبہ بن چُکا تھا۔

سہراب مالی کے علمی استدلال سے بھرپور حقائق نے میری تمام گتھیاں سلجھادی تھیں۔

اگلے روز جب ہم تیار ہوکر جنڈیال مندر کی سیر کو نکلے تو میں نے ان کے کان میں یہ بات پھونک دی کہ ہم قدیم ٹیکسلا دیکھنے جارہے ہیں اس لئے وہی راستہ اختیار کیا جائے گا

Scanned with CamScanner

جہاں سے کبھی شاہی سواریاں، جنگی رتھ، گھوڑ سوار اور بیرونی حملہ آور آیا کرتے تھے چنانچہ ہم دونوں ایک لمبا چکر کاٹ کر جنڈیال مندر کے صدر دروازے پر پہنچ گئے مگر شومئی قسمت شاہی مہمانوں کے استقبال کے لئے سوائے چوکیدار کے کوئی بھی فوجی دستہ موجود نہیں تھا بلکہ عمارت کی زبوں حالی دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی حملہ آور لشکر ہر شے کو روندتا ہوا گزر گیا تھا۔

ہمیں آئے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک غیر ملکی سیاح جوڑا بھی ادھر آنکلا۔ علیک سلیک ہوئی تو معلوم ہوا کہ انکا تعلق نیروبی (کینیا) سے ہے اور تلاش معاش کے سلسلے میں برطانیہ میں سکونت پذیر تھے برطانیہ کا نام سن کر سہراب مالی کے کان کھڑے ہو گئے اور پھر ہم لوگ جلد ہی ایک دوسرے سے گھل مل گئے۔

انہوں نے بتایا کہ وہ ٹیکسلا کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں اور ہر سال یہاں چھٹیاں گزارنے آتے ہیں وہ گندھارا تہذیب سے بے حد متاثر تھے باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ انہیں ٹیکسلا سے اس قدر محبت ہے کہ اپنی ننھی بیٹی کا نام بھی اس شہر کی مناسبت سے ادیس ابابائے ٹیکسلا تجویز کیا ہے۔

"ادیس ابابا تو ایتھوپیا کا دارالحکومت ہے" سہراب مالی نے چونکتے ہوئے کہا!!

''جی ہاں'' نوجوان بولا ''افریقی زبان میں یہ الفاظ سفید گلاب کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ٹیکسلا کا گلاب ہے''۔

میں نے برجستہ کہا!

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر خدا نے آپ کو بیٹے سے نوازا ہوتا تو یقیناً آپ نے اس کا نام سیاہ وچن ٹیکسلا رکھنا تھا کیونکہ سنسکرت میں کالے گلاب کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے"۔

میرے بے لاگ تبصرے پر سب بے تحاشہ ہنسنے لگے۔

Scanned with CamScanner

قدرے توقف کے بعد سہراب مالی نے استفسار کیا "مختلف زبانوں کا تذکرہ سن کر میرے ذہن میں اک سوال سر اٹھا رہا ہے کہ عہدِ قدیم میں ٹیکسلا کی مقامی زبان کونسی تھی؟" نیرو بین جوان کہنے لگا کہ ایرانی حکمرانوں کے زیرِ تصرف خطے بابل اور شام میں آرامی زبان بولی جاتی تھی جسے مینجی خط میں لکھا جاتا تھا ہخامنشی دور میں یہی زبان ٹیکسلا میں بھی سمجھی جانے لگی حالانکہ مقامی طور پر پراکرت رائج تھی چنانچہ ان کے باہمی اختلاط سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جس نے خروشتی رسم الخط کو جنم دیا خصوصاً مہاراجا اشوک کے زمانے میں اس کا خوب احیاء ہوا خروشتی میں لکھے مختلف نمونے ٹیکسلا کے متعدد کھنڈرات سے دریافت ہوئے ہیں یہ زبان پانچویں صدی عیسوی تک بولی جاتی رہی۔

جب ہم لوگ جنڈیال مندر میں گھومنے کے بعد سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے چبوترے پر چڑھنے لگے تو سہراب مالی جو سب سے آگے تھے انہوں نے چیختے ہوئے رکنے کی ہدایت کی سامنے ایک مردہ سانپ ڈھیر ہوا پڑا تھا۔ بے شمار تیتئے اور چیونٹیاں اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہی تھیں۔ اور چند گز دور ایک اونچے درخت پر کچھ گدھ ہماری آمد سے چوکنے ہو کر بے چینی سے نظریں گاڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے تمام صورتِ حال کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد سہراب مالی سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"دوستو! مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ چبوترا پارسیوں کا خاموش مینار ہے جس پر گدھ انسانی نعشیں کھایا کرتے تھے اور بچی کھچی ہڈیاں اس ملحقہ کمرے میں پھینک کر ٹھکانے لگا دی جاتی ہوں گی"۔

سب نے چونک کر سہراب مالی کی جانب دیکھا! مگر کسی نے بھی اس کے مفروضے کی تائید یا تردید نہیں کی۔

مندر کی تفصیلی سیر کے بعد جب ہم نیچے آئے تو کافی وقت بیت چکا تھا جلدی جلدی

Scanned with CamScanner

واپسی کا سامان کیا اور پختہ سڑک کی جانب ہو لئے۔ ابھی ہم بمشکل چند قدم ہی چلے تھے کہ پولیس والوں کی ایک گشتی جماعت نے ہمیں روک لیا اور سرسری تفتیش کے بعد دوسرا راستہ اختیار کرنے کی ہدایت کی پوچھ گچھ پر پتہ چلا کہ دن دھاڑے ایک مذہبی جماعت کے راہنما کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ پولیس نے مجرموں کی تلاش کیلئے تمام علاقے کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ خاصا خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا اور لوگ نعرہ بازی کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے تھے اور آتی جاتی گاڑیوں پر پتھراؤ کر رہے تھے۔

سہراب مالی جو خوب چہک رہے تھے اس ناگہانی واقعے کے پیش آنے کے بعد ایک دم خاموش ہو گئے اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار مترشح تھے یوں لگتا تھا جیسے اندر ہی اندر اسے کوئی گھن لگ گیا ہو۔ گھر پہنچتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا میں نے اس قدر خاموشی کی وجہ پوچھی تو وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''میں اس سنہرے دور کے متعلق سوچ رہا ہوں کہ جب ٹیکسلا کی پرامن فضاء میں جینی، بدھ، ہندو، آتش پرست، زرتشتی اور دیگر کئی مذاہب کے لوگ مل جل کر امن اور آشتی سے رہتے تھے وہ اپنی مذہبی رسومات کی بجا آوری میں قطعاً آزاد تھے کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا اور اس کثیر جہتی معاشرے میں مکمل مذہبی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ مگر کیا وجہ ہے کہ آج ایک ہی دین کے پیروکار باہم دست و گریباں ہیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں مذہبی رواداری کا نام و نشان نہیں ہے کیا اپنے آپ کو روشن خیال اور تہذیب یافتہ کہلوانے والے معاشرے کا یہی معیار ہوتا ہے۔۔۔؟

خدا جانے وہ کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر میرا دھیان کہیں اور بٹا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔ مجھے تو یہ فکر دامن گیر تھی کہ کیا واقعی خونخوار گِدھوں کی نسل آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟

Scanned with CamScanner

ٹیکسلا کا گُم شدہ شہر۔۔۔

Scanned with CamScanner

عجب اتفاق تھا۔

ہم لوگ جب بھی شکار کی غرض سے اس وادی میں گئے فائر کی آواز گونجتے ہی تمام چرند پرند ملحقہ عمودی پہاڑی پر جا چھپتے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔ ہماری سمجھ میں یہ کبھی نہ آیا کہ آخر کیا وجہ تھی کہ پرندے اس معلق پہاڑ کو ہی اپنے لئے جائے پناہ تصور کرتے اور چاروں اطراف سے اُڑان بھر کر وہاں جمع ہو جاتے۔

آخر کار ایک روز ہم تمام دوستوں نے اس راز سے پردہ اُٹھانے کا مصمم ارادہ کر لیا یہ دلفریب مقام وادیٔ ٹیکسلا کو اپنی باہوں کے حصار میں سمیٹے ہوئے مشرقی پہاڑی سلسلے مارگلہ کے جلو میں واقع ہے۔ ٹیکسلا عجائب گھر کے پہلو سے بل کھاتی ہوئی ایک پختہ سڑک نکلتی ہے جو مذکورہ شکار گاہ سے ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع دو جڑواں گاؤں خرم گجر اور خرم پراچہ کو

Scanned with CamScanner

آپس میں ملاتی ہے یہ گاؤں بھی اسی پہاڑی سلسلے میں آباد ہیں ان کا نام مشہور مغل بادشاہ جہانگیر کے بیٹے خرم کے نام پر رکھا گیا ہے سنا ہے کہ شہزادہ خرم کشمیر سے ہندوستان آتے ہوئے اس تفریحی مقام پر قیام کرتا اور چند روز آرام کے بعد آگے کا قصد کرتا۔ یہاں گیڑی نامی پہاڑیوں میں گھرا ہوا ٹھنڈے پانی کا ایک قدرتی چشمہ بہتا ہے جس کا پانی نشیبی علاقے میں مشرقی پہاڑوں کے سلسلے سے بہہ کر آنے والے نالے میں شامل ہو کر آوارہ گردی کرتا ہوا ٹیکسلا کی جانب جا نکلتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی (1030ء) کے عہد میں گیڑی میں ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی جو آج بھی بھولے بھٹکے نمازیوں کیلئے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے ہے۔ اس جگہ کی وجہ شہرت یہ بھی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے فرزند و جانشین مسعود غزنوی (1042ء) کو مارگلہ سے گرفتار کر کے قلعہ گیڑی ہی میں شہید کیا گیا تھا۔

گیڑی کے اس چشمے کا پانی اسقدر وافر مقدار میں بہتا ہے کہ حکومت نے مقامی آبادی کے لئے فراہمی آب کا منصوبہ تیار کیا ہے لوہے کے پائپ بچھا کر چشمے کے پانی کو پہاڑی پر ایک ٹینکی میں پہنچایا گیا ہے جہاں سے پورے گاؤں کو اس کی ترسیل کی جاتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ چشمہ ایک قدیم اسٹوپ کے قدموں سے پھوٹ رہا ہے جہاں بدھ دور کی تاریخی عمارتوں کے آثار آج بھی موجود ہیں زینے اوپر چڑھتے ہی سب سے پہلی نظر جس عمارت پر پڑتی ہے وہ کبھی دو منزلوں پر مشتمل تھی مگر اب محض زمینی منزل کے اٹھارہ کمروں اور انکے درمیان کشادہ صحن کے آثار باقی ہیں۔ طعام گاہ کے علاوہ ڈیوڑھی اور فالتو اشیاء رکھنے کا کمرہ بھی موجود ہے خانقاہ اور اسٹوپ کے درمیانی حصے میں بھی چند عمارتوں کے کھنڈرات بکھرے ہیں جو یقیناً ظالم زمانے کی بے حسی پر نوحہ کناں ہیں یہ مقام

Scanned with CamScanner

نہایت سرسبز وشاداب پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے چشمِ تصور میں یہ شاندار نظارہ مشہور یونانی ڈلفی تھیئٹر کی مانند دکھائی دیتا ہے اور تاریخی اسٹوپ پر بھی اپالو کے مندر کا گمان گزرتا ہے۔

ان قدیم آثار کے علاوہ مغربی جانب کے نشیبی علاقے میں بھی چونے اور کنجور کے پتھروں کو تراش کر بنائی ہوئی کئی عمارتیں اور اسٹوپ نظر آتے ہیں ان کا تعلق بھی پہلوی اور کشان حکمرانوں کے اوائل دور سے ہے۔ بڑے اسٹوپ کے شمالی اور جنوبی جانب منتی اسٹوپوں کی قطاریں ہیں جن کی بیرونی سطح پر اوپر سے نیچے تک انسانی اور حیوانی جسموں کے مجسمے بنے ہیں اور ان کے درمیان برابر وقفوں میں یونانی طرز کے کورنتھین ستون ایستادہ ہیں اور اس طرح بیچ میں جو طاقچے وجود میں آئے ان کو مہاتما بدھ اور اس کے پجاریوں کے مجسموں سے مزیّن کر دیا گیا تھا۔ بھکشوؤں کی رہائش کے لئے اسٹوپ کے ساتھ تین عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں جو ''سنگھ آرام'' کہلاتی تھیں۔ ایک خانقاہ میں پانی کا تالاب اور باقی دو عمارتوں میں کشادہ صحن تھے۔ اس کے علاوہ ایک جلسہ گاہ اور ایک عدد عبادت کا کمرہ بھی تھا۔ گھروں کو ہوادار بنانے کیلئے ڈھلوانی شکل میں ہوادان بھی تعمیر کئے گئے تھے۔ چونکہ پہلوی دور میں بھکشو اپنی اناء کو کچلنے کے لئے آبادیوں میں بھیک مانگتے تھے اس لئے ان عمارتوں میں باورچی خانے کا وجود نہیں ملتا۔۔۔۔ اب جب کہ برّصغیر پاک و ہند میں بدھ مت معدوم ہو چکا ہے مگر بھیک مانگنے والی یہ قدیم ثقافت دیگر کئی ایک ایشیائی ممالک کی طرح ابھی تک باقی ہے جا بجا گلیوں میں رنگ دار لباس میں ملبوس گلے میں منکوں کی مالا پہنے اور ٹھوٹھے لٹکائے کئی ملنگ گھومتے نظر آتے ہیں یقیناً ان کے تہذیبی رشتے کی کڑیاں ماضی سے ہی پیوستہ اور جڑی ہوئی ہیں۔

Scanned with CamScanner

یوں تو خرم اور گیڑی کا یہ علاقہ پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا مگر پھر بھی نالے کی جانب اور پہاڑیوں کے درمیان خالی جگہوں میں تقریباً گیارہ فٹ چوڑی پتھروں کی دیواریں کھڑی کر دی گئی تھیں اغلب خیال یہی ہے کہ جب ماضی میں وادیء ٹیکسلا پر بیرونی حملہ آور دراندازی کرتے تھے تو سینکڑوں کی تعداد میں یہ بھکشو بھاگ کر ان محفوظ پناہ گاہوں میں روپوش ہو جاتے اور پھر یہاں سے اوپر کی جانب مارگلہ سے ہوتے ہوئے مری کے پہاڑوں میں راہِ فرار اختیار کرتے تھے۔

خرم گاؤں کے غربی جانب جنگلی درختوں کا ذخیرہ شروع ہو جاتا ہے یہاں انجیر اور زیتون کی اس قدر بہتات ہے کہ دن کو بھی سورج کی روشنی کا پہنچنا محال ہے یہاں سور، گیدڑ، لومڑی، بھیڑیے اور سانپ کثرت سے پائے جاتے ہیں کئی نایاب اقسام کے جنگلی پرندوں کے علاوہ چیلیں اور گدھ بھی چوٹیوں پر منڈلاتے دکھائی دیتے ہیں تیتروں کی آوازیں تو صبح وشام ہی گونجتی رہتی ہیں خرگوش تلاش کرنے والے شکاری بھی کتوں کے ساتھ گھومتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہی پہاڑی مقام تھا جسے جنگلی جانوروں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا اور اکثر شکاری یہاں سے ناکام لوٹ آتے تھے۔ یہ پہاڑی بالکل عمودی اور سنگلاخ تھی اس پر سیدھا چڑھنا قطعاً محال تھا مگر ہم تمام دوستوں نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ آج اسے سر کر کے ہی دم لیں گے مہدی نے کھونٹیوں اور رسیوں کا بندوبست کر رکھا تھا اسد پر تو ویسے ہی پہاڑوں پر چڑھنے کا جنون سوار رہتا ہے وہ سب سے پیش پیش تھا اور برابر ہمت بندھا رہا تھا۔ راستہ خاصا دشوار گزار تھا بار بار پاؤں پھسل رہے تھے نیچے مُڑ کر دیکھتے تو سر گھومتا ہوا محسوس ہوتا ایک جگہ تو میں گرنے سے بال بال بچا۔ اوپر چڑھنا تقریباً ناممکن نظر آ رہا تھا۔ آخر سب نے فیصلہ کیا کہ دوسری سمت سے کوئی اور راستہ تلاش کیا جائے۔ ہم چند قدم ہی آگے بڑھے تھے

Scanned with CamScanner

کہ مہدی نے چلاتے ہوئے ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرائی ہم احتیاط سے قدم اٹھاتے اس کی جانب لپکے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ پہاڑ پر چڑھنے کیلئے چٹانیں تراش کر سیڑھی تیار کی گئی تھی نیچے کی سمت تو باقاعدہ زینے تھے مگر اوپر جانے کیلئے پتھروں کو اس طرح تراشا گیا تھا کہ ان میں ہاتھ پھنسا کر پہاڑی پر چڑھنا ممکن تھا۔ یقیناً یہ ان لوگوں کا ہی کام ہوسکتا تھا جو کبھی یہاں آباد رہے تھے۔

جونہی ہم اوپر پہنچے تو حیرت سے بھونچکے رہ گئے ہمارے سامنے ایک ایسے پُرانے شہر کے کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے جس کی بنیادیں تو جوں کی توں موجود تھیں مگر عمارتیں غائب تھیں ایک اسٹوپ کی باقیات بھی چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی دیوہیکل عفریت نے تمام عمارتوں کو اوپر سے اُچک لیا تھا۔ شکستہ کمروں میں بیر اور مختلف جنگلی پھلوں سے لدے درخت اُگے ہوئے تھے۔ اردگرد گھنے سایہ دار درخت تھے انجیر کے پیڑ بھی سایہ فگن تھے جن پر چڑیاں پھدک رہی تھیں ایک جانب سرسبز وشاداب درختوں کے جُھنڈ میں تراشے ہوئے پتھروں کو ترتیب سے جوڑ کر گز بھر اونچی چار دیواری بنا دی گئی تھی۔ اندر جانے کیلئے تنگ سا راستہ تھا جسے کانٹوں بھری ٹہنی سے بند کر دیا گیا تھا راستہ صاف کر کے جونہی ہم اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے پانی کا ایک قدرتی چشمہ بہہ رہا ہے جس کے کنارے دو غیر ملکی بھکشو آلتی پالتی مارے آنکھیں موندے مراقبے کی حالت میں بے حس وحرکت بیٹھے ہیں۔ ہماری آہٹ پا کر انہوں نے آنکھیں جھپکیں اور ہڑبڑا کر ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ بدھ بھکشو تھے ان کا تعلق تبت سے تھا ہمیں یہ جان کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ

Scanned with CamScanner

مشرقِ بعید کے ممالک سے اکثر یاتری ان دور دراز علاقوں میں آتے رہتے ہیں اور اپنی مذہبی رسومات بھی باقاعدگی سے بجا لاتے ہیں۔ یہ تمام مقامات ان کے نزدیک نہایت مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ پدماسمبھاوا نے تبت میں 770ء کے لگ بھگ بدھ مت متعارف کرایا تھا۔ وہ خطہِ گندھارا کا رہنے والا تھا اور مختلف شواہد کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس کی جائے پیدائش ٹیکسلا ہی تھی۔ پدماسمبھاوا نے تبت کے دارالحکومت لہاسا میں پہلی خانقاہ بھی تعمیر کی اور اس کی کوششوں سے وہاں کے حکمران کھری سرانگ ارتی بستان نے بدھ مت قبول کیا۔ پدماسمبھاوا، بدھ ثانی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں جبکہ تبت کے لوگ انہیں ''گورورین پوچی'' کہتے ہیں وہ مہایانا بدھ مت کی تانترک شاخ ''رین ماپا'' کے بانی تھے۔

مہدی کہنے لگا ''کیا تبت کے لوگوں کو ٹیکسلا کی اس تاریخی حیثیت کا علم ہے''۔

''جی ہاں'' ادھیڑ عمر بھکشو نے جواب دیا ''ٹیکسلا کا ذکر تبت اور چین کے لوک ادب میں اکثر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکسلا میں جنم لینے والی خروشتی زبان کے متعدد الفاظ تبت میں آج بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں''۔ ان بدھ بھکشوؤں سے ہماری جس مقام پر ملاقات ہوئی تھی انہوں نے اس کا نام ''مکھیالہ'' بتایا جو یقیناً ''مکھ اعلیٰ'' کی بگڑی ہوئی شکل تھی جس کے معنی ''حسین و جمیل چہرے'' کے ہیں۔ اپنے نام کے مصداق یقیناً یہ جگہ کسی جنت کے ٹکڑے سے کم نہیں تھی قدرتی چشمہ نہایت سرعت سے پھوٹ رہا تھا۔ پانی اس قدر شفاف تھا کہ اس کی تہہ میں ریت کے باریک ذرّات بھی صاف چمکتے دکھائی دیتے تھے۔ چشمے کے پانی تک رسائی کیلئے پتھر تراش کر زینہ بنا دیا گیا تھا اردگرد خودرو پھول اور پھلوں

Scanned with CamScanner

کے پیڑ اُگ آئے تھے۔ خوبصورت رنگوں کی نازک تتلیاں ماحول کے قدرتی حسن میں رنگ بھر رہی تھیں۔ پرندے اپنی سریلی آوازوں کا جادو جگا رہے تھے پتھروں کی دیوار چن کر چشمے کی حد بندی کر دی گئی تھی جسکے اندر چند اشخاص کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی چشمے کا پانی بہہ کر باہر کی جانب ایک چھوٹے سے تالاب کی شکل اختیار کر لیتا تھا جہاں جنگلی جانور اور پرندے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ مگر حیرت کی بات تھی کہ تالاب کے دوسرے کنارے سے یہ پانی چند گز دور جا کر زمین میں غائب ہو گیا تھا اور دور دور تک کہیں بھی اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا تھا۔

گندھارا اور خصوصاً ٹیکسلا کے قدیم اور تاریخی ورثے میں ہماری غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر ان بھکشوؤں نے ہمیں چائے پر مدعو کیا اور اپنے ساتھ خیمے میں لے آئے۔ کینوس کا بنا ہوا یہ مضبوط خیمہ انہوں نے پہاڑی کی ایک پوشیدہ اور نسبتاً ہموار چوٹی پر نصب کر رکھا تھا جہاں سے اردگرد کے ماحول پر بھی آسانی سے نظر رکھی جا سکتی تھی۔

ہم لوگ گپ شپ میں مگن تھے کہ اچانک ہماری چھٹی حس نے کسی انجانے خطرے سے خبردار کیا پورا جنگل سکوت کے عالم میں تھا یہ خاموشی یقیناً کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگتی تھی ہمارے کان کھڑے ہو گئے چاروں جانب نگاہیں دوڑائیں مگر اس غیر معمولی خاموشی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔۔۔ دفعتاً دور کہیں ایک بندر کی چیخ فضا چیرتی ہوئی نکل گئی اور اس کے بعد پھر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔۔۔۔ چند لمحوں کے بعد ٹہنیاں ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دیں اور گھنے جنگل کی سمت سے ایک گھوڑا آتا ہوا دکھائی دیا وہ سیدھا تالاب کے پاس آ کر رکا اور شپڑ شپڑ پانی پینے لگا۔ غالباً یہ گھوڑا ان خانہ بدوش قبائل کی ملکیت تھا جو برف باری

Scanned with CamScanner

کے موسم میں شمالی علاقہ جات سے نقل مکانی کر کے یہاں عارضی طور پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ سردیوں کے آغاز میں خُرم گاؤں کی ملحقہ پہاڑیوں میں آ کر ڈیرا ڈالتے اور پھر گرمیوں کے شروع ہوتے ہی سوات اور ناران کی وادیوں میں واپس لوٹ جاتے۔ ان قبائل کا صدیوں سے یہی معمول چلا آتا ہے۔

ہم لوگ اطمینان سے اندر آ کر بیٹھ گئے۔ مہدیؔ نے دوبارہ پیالیوں میں چائے انڈیلنا شروع کی ہی تھی کہ اچانک باہر گھوڑے کے بدکنے اور ہنہنانے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ہم دوڑ کر باہر لپکے اور یہ دیکھ کر ہمارے اوسان خطا ہو گئے کہ کالی دھاریوں والے ایک خوفناک چیتے نے گھوڑے کی گردن میں اپنے دانت گاڑ رکھے تھے اور وہ بری طرح اچھل کود کر رہا تھا۔ ہم دم سادھ کر وہیں دبک گئے۔۔۔۔ خوف کے مارے سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

حکومت نے جنگلی حیات کی افزائشِ نسل کی خاطر مری کے پہاڑوں میں بڑی تعداد میں چیتے وغیرہ لا کر چھوڑ رکھے تھے جو اکثر مارگلہ کے زیریں پہاڑوں میں اتر آتے تھے مقامی پہاڑوں میں بھی کبھی کبھار شیر کی موجودگی کی اطلاع مل جاتی تھی۔۔۔۔ ابھی تک کسی انسان کے زخمی ہونے کی کوئی خبر نہیں آئی تھی مگر مویشی اکثر ان کی خوراک بنتے رہتے تھے۔

آج چیتے کو اپنے سامنے موجود پا کر ایک دم ہی ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ کسی جنگلی شیر سے بالمشافہ پہلی مڈبھیڑ تھی اور دوسرا ہمارے پاس اپنی حفاظت کیلئے کوئی مناسب سامان بھی موجود نہیں تھا۔

اسدؔ نے سب کو بے حس و حرکت بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود خیمے کی ادھ کھلی درز

Scanned with CamScanner

سے صورتِ حال کا بغور جائزہ لینے لگا۔

گھوڑا زخمی ہو کر بھاگ گیا۔۔۔ چیتا بھی غرّاتا ہوا اس کے پیچھے لپکا اور جنگل میں کہیں غائب ہو گیا جب ہمیں اس بات کا پوری طرح یقین ہو گیا کہ جنگل کا بادشاہ کافی دور نکل چکا ہے تو ہم نے دبے پاؤں واپسی کی راہ لی بدھ بھکشو بھی اپنا گیان دھیان بھول گئے جان کے خطرے کے پیش نظر انہوں نے بھی اپنا سامان سمیٹا اور ہمارے ساتھ ہی واپس آ گئے۔۔۔۔ چیتے کی موجودگی نے انہیں اس قدر حواس باختہ کر دیا تھا کہ اگلے ہی روز وہ تبت کے جلاوطن رہنما دالائی لامہ سے ملنے انڈیا روانہ ہو گئے اور جاتے ہوئے اپنا خیمہ بھی یہیں بھول گئے ۔۔۔۔ہم نے بھی چیتے کے آزادانہ گھومنے پھرنے میں رخنہ اندازی مناسب نہ سمجھی اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا۔

مکھیالہ کے قدیم کھنڈرات کی دریافت نے مجھے خاصا متجسس کر دیا تھا۔ اور اصل حقیقت جاننے کیلئے خاصا بے چین تھا۔ میں نے مشہور چینی سیاحوں کے سفر ناموں کی عرق ریزی کی فاہین جس نے چندر گپت بکر ماجیت کے دور حکومت میں 400 عیسوی میں ہندوستان میں قدم رکھا تھا اس کے علاوہ ہیون تسانگ 629 عیسوی سے 645 عیسوی تک ان علاقوں کی خاک چھانتا رہا تھا انگریزی سرکار میں سر الیگزنڈر کننگھم (1864ء) بھی ٹیکسلا کے مختلف کھنڈرات پر تحقیقی کام کر چکا تھا ان کے علاوہ سر جان مارشل نے بھی 1913 سے 1934 عیسوی تک کھدائیوں کی نگرانی کی مگر مکھیالہ کے آثارِ قدیمہ ان سب کی نظروں سے اوجھل رہے اور وہاں تک کسی کی رسائی ممکن نہ ہوئی۔ ہیون تسانگ نے اپنے سفر نامے میں یہ ذکر ضرور کیا ہے کہ اس نے ٹیکسلا اور اس کے گرد و نواح میں تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ

Scanned with CamScanner

ویران اور غیر آباد بدھ اسٹوپ اور خانقاہیں دیکھی تھیں جس میں سے اس نے محض چند مشہور آثار کا ہی محلِ وقوع نقل کیا تھا۔

خدا جانے ٹیکسلا کے اس خوابیدہ شہر نے اپنے سینے میں کتنے راز چھپا رکھے ہیں ان حقائق سے تو کبھی کھدائی کے بعد ہی پردہ اٹھانا ممکن ہو گا_____ اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت مکھیالہ آج بھی کسی سر جان مارشل کی راہ دیکھ رہا ہے۔۔۔۔۔!!!

Scanned with CamScanner

کیا ٹیکسلا پھر تباہ ہوگا؟

Scanned with CamScanner

یہ اماوس کی رات تھی دونوں بچے ابراہیم اور فاطمہ بضد تھے کہ انہیں اماوس کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے انہوں نے کہیں سے سن لیا تھا کہ ان راتوں میں بھوت اور چڑیلیں بادلوں پر سوار ہو کر زمین پر اُترتی ہیں اور آدھی رات کو اُلّو کی منحوس آواز سن کر تاریک غاروں سے چمگادڑیں بھی باہر نکل آتی ہیں جو آسمان سے اترنے والی خوفناک مخلوق کی راہنمائی کرتے ہوئے لوگوں کیلئے پریشانی کا موجب بنتی ہیں۔

میں نے بچوں کو بہت سمجھایا کہ یہ سب خرافات ہیں ان باتوں کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھے خوف ان کے ننھے منے ذہنوں میں پنجے گاڑ چکا تھا ماں نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر زبردستی سلا دیا اور میں نے بھی اطمینان کی سانس لی۔

میری بچپن سے یہ عادت رہی ہے کہ سونے سے پیشتر ایک آدھ گھنٹہ کوئی کتاب پڑھ لیتا ہوں اس طرح نیند بھی جلدی آجاتی ہے اور زیادہ دیر کروٹیں بدلنے سے نجات بھی مل جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس دوران زوجہ محترمہ سے نوک جھونک برابر جاری رہتی ہے

Scanned with CamScanner

کیونکہ جلتی ہوئی روشنی اس کی آنکھوں میں چبھتی ہے جس سے بقول شخصے اس کی نیند کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ جنگ کے دنوں میں پیدا ہوئی اور اس رات مکمل بلیک آؤٹ بھی تھا۔

اس رات بھی پڑھتے پڑھتے جب نیند نے غلبہ پانا شروع کیا اور جمائیاں آنے لگیں تو میں نے بلب بجھا دیا اور چپکے سے بستر پر دراز ہو گیا بچوں نے جن بھوتوں کا ذکر چھیڑ کر بچپن کی یادیں تازہ کر دی تھیں ہم بھی اکثر سوچا کرتے تھے کہ کہیں سے الہٰ دین کا پرانا چراغ ہاتھ لگ جاتا تو جن چاچا سے کہتے کہ ہمیں اچھے اچھے کھلونے اور ڈھیروں ٹافیاں لا کر دے اور سب کو مالا مال کر دے وغیرہ۔۔۔۔۔۔ جوں جوں ہم بڑے ہوتے گئے توں توں جن چھوٹا ہوتا گیا حتیٰ کہ ایک روز وہ ایک عام سی بوتل میں بند ہو گیا اور ہمارے تمام سہانے خواب قصہ پارینہ بن گئے غمِ روزگار نے کہیں کا نہ چھوڑا۔ اور جو ایک آدھ پری کبھی خواب میں نظر آجاتی تھی وہ بھی شادی کے بعد کہیں پھُر سے اُڑ گئی۔

سوچتے سوچتے قریب تھا کہ آنکھ لگ جاتی کہ اچانک ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا کھڑکی کے پٹ سے ٹکرایا اور میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا باہر دیکھا تو چاند کا نام و نشان نہ تھا ستارے بھی غائب ہو چکے تھے کالے بادلوں نے پورے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا اور شمال کی جانب سے آنے والی تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں۔۔۔ پھر یکا یک بارش شروع ہو گئی میں کھڑکی کے پٹ بند کرنے کو دوڑا کہ اچانک باہر سے ایک تیز آواز بلند ہونا شروع ہوئی میں نے سوچا کہ ریل کی پٹڑی قریب سے گزرتی ہے شاید کوئی ٹرین آتی ہو گی مگر یہ آواز تو تیز تر تھی اور بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے پانی کا بند ٹوٹ گیا ہے اور نہایت زور شور سے سیلاب بڑھتا چلا آ رہا ہے یا پھر کوئی خوفناک اژدھا پھنکارتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے میں نے

Scanned with CamScanner

کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور بے اختیار میرے منہ سے ''یا اللہ خیر'' کے جملے نکلے۔۔۔۔۔۔

یہ ایک TORNADO تھا جو ریلوے اسٹیشن کی سمت سے آگے بڑھ رہا تھا اس کا دوسرا سرا آسمان سے باتیں کر رہا تھا رنگ نیلگوں اور سرمئی سا تھا جیسے بجلی کے ہزاروں قمقمے روشن ہو گئے تھے میں تذبذب میں بت بنا کھڑا تھا کہ اچانک یہ عفریت ایک زبردست شور کے ساتھ مکان سے ٹکرا گیا بس پھر کیا تھا پورے گھر کی دیواروں نے ہلنا شروع کر دیا یوں لگتا تھا جیسے کوئی پہلوان کاغذ اور گتے کی دیواروں کو گرانے کی کوشش کر رہا ہے باہر سے پختہ اینٹوں کی چار دیواری کے ٹوٹ کر گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں پودوں کے گملے دھڑا دھڑ گر رہے تھے درخت بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زمین بوس ہو رہے تھے۔ بچے ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے خوف سے ان کی آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور رنگ پیلے پڑ چکے تھے ان کی ماں کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی وہ سمجھے کہ زلزلہ آ رہا ہے اور مکان گرنے ہی والا ہے سب نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا اور بھاگ کر ملحقہ کمرے میں پناہ لی۔

کھڑکی کے شیشے بھی ٹوٹ چکے تھے Tornado کے آنے اور جانے کا دورانیہ محض چند سیکنڈ رہا ہو گا ہر چیز اپنی اپنی جگہ واپس ہونی شروع ہو گئی۔ بارش جوں کی توں جاری تھی بجلی ایک دم چلی گئی تھی۔ خوف سے ہم سب گنگ کھڑے تھے۔ میں جونہی دروازہ کھول کے باہر لپکا بچے میری قمیض کو پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگے اور بیگم بھی باہر جانے سے مسلسل روک رہی تھی وہ ابھی تک خوف کے زیرِ اثر تھے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے گھر کی دیواریں گرنے سے محفوظ رہیں البتہ اڑوس پڑوس اور محلے بھر میں خاصا نقصان ہوا تھا۔ سیمنٹ کی پختہ دیواریں گر گئیں ہمارے مکان کی چھت

Scanned with CamScanner

کے اوپر کچن کی چمنی ہے اس کے اوپر بڑی سی کنکریٹ کی سِل دھری تھی وہ اس طوفان میں اُڑ کر صحن کے بیچ میں یوں آرہی جیسے اسے کسی نے احتیاط سے اُٹھا کر نیچے رکھ دیا ہو وہ حیرت انگیز طور پر دوسری منزل کی چھت سے نیچے پختہ فرش پر گرنے کے باوجود محفوظ رہی تھی۔

میں بارش میں کھڑا نقصانات کا اندازہ لگانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ ایک دم زور سے بجلی کڑکی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور پورا علاقہ روشنی میں نہا گیا یوں لگا جیسے آدھی رات کو سورج نکل آیا ہو۔ قریب ہی کہیں بجلی گری تھی بچے پھر بھاگ کر باہر نکل آئے اور مجھ سے لپٹ گئے لگتا تھا جیسے قیامت برپا ہونے کا صور پھونک دیا گیا ہے اور زمین کی بساط لپیٹی جا رہی ہے جس کو جو دُعا یاد تھی زور زور سے پڑھنے لگا میں نے استغفار کا ورد شروع کر دیا دل دھک دھک کر رہا تھا۔۔۔ یہ کیفیت کافی دیر تک طاری رہی۔

بجلی چمکتی تو ریلوے اسٹیشن جو بالکل ہی سامنے تھا ٹنڈ منڈ سا دکھائی دیتا بڑے بڑے پیپل کے دیوہیکل درخت ریل کی پٹڑی پر گرے پڑے تھے پلیٹ فارم پر بھی درختوں کے تنوں کا انبار لگ چکا تھا۔

ہمارے گھر کے چاروں جانب مارگلہ کا خوبصورت پہاڑی سلسلہ ہے جسے چھت سے دیکھنے پر بہت خوش کن نظارے کا احساس ہوتا ہے۔ زیادہ تر چوٹیاں سبزے سے ڈھکی ہوئی ہیں سڑ دھے کا پہاڑ 3985 فٹ بلند ہے یہ پہاڑ دور سے جاپان کی مشہور چوٹی MOUNT FUJI کی مانند دکھائی دیتا ہے جب پانی سے لدی ہوئی بدلیاں ان چوٹیوں سے آنکھ مچولی کھیلتی ہیں تو یوں لگتا کہ کوئی معصوم بچہ برف کے گولوں سے کھیل رہا ہو۔ اطلاعاً عرض کرتا چلوں کہ میں اور میری بیگم چند سال پیشتر اس چوٹی کو سر کر چکے ہیں۔۔۔۔

Scanned with CamScanner

ایک اور دلفریب چوٹی ٹیکسلا میوزیم کے بالمقابل ہے اور جب کوئی آوارہ بادل اس سے ٹکرائے تو یہ کرسمس کے مشہور کردار SANTA CLAUS کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ مشرقی جانب بھی دو خوبصورت چوٹیاں ہیں ہم نے ان کا نام TWIN PEAKS رکھ لیا تھا صبح سویرے جب پرندے اپنی سریلی آوازوں میں صبح کی آمد کا اعلان کرتے تو باہر صحن میں کھڑے ہو کر ان قدرتی مناظر کا نظارہ اور بھی دلکش ہو جاتا اور آس پاس اُگے ہوئے درخت آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت پہنچانے کا سامان مہیا کرتے یوں قدرت اپنی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ کائنات میں رنگ بکھیرتی نظر آتی۔

Tornado کے حادثے کے بعد کچھ یوں ہوا کہ یہ پہاڑ جو بڑے بڑے درختوں کی اوٹ میں تھے اور نظروں سے قدرے اوجھل بھی تھے یکا یک واضح ہو کے سامنے آ گئے اور وہ تمام درخت جو اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے تھے جڑوں سے اکھڑ گئے اور ''دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو'' کی تصویر بنے ہوئے تھے لگتا تھا کہ کسی قوی ہیکل دیو نے انہیں بھنبھوڑ کے جڑوں سمیت نکال کر باہر پھینک دیا ہے۔

اس آسمانی آفت کی خبر گرد و نواح میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ صبح سویرے ہی لوگوں کا ہجوم لگنا شروع ہو گیا۔ اخباری نمائندے بھی آ گئے بزرگ بار بار کانوں کو ہاتھ لگاتے گویا گناہوں سے تائب ہو رہے ہوں۔ قیامت کے قرب کی باتیں کی جا رہی تھیں۔ گھروں میں بھی موضوع بحث یہی خبر تھی حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو رات کو سہمے ہوئے تھے بڑھ چڑھ کر تبصرے کرتے ہوئے پائے گئے۔ اچھا خاصا نقصان ہو چکا تھا۔ کچی دیواریں تو ٹوٹ گئی تھیں مگر پختہ اینٹوں اور سیمنٹ کی بنی ہوئی دیواریں بھی گر چکی تھیں۔ دن کی روشنی میں جب میں نے اردگرد کا بغور جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ برآمدے کے ستون

Scanned with CamScanner

جو Tornado کی زد میں آئے مکمل طور پر چھلنی ہو چکے تھے لگتا تھا کہ جیسے ان پر کسی مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔ پلستر جگہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا ایک سایہ دار درخت جو صحن کے ایک طرف ایستادہ تھا سیڑھیوں پر یوں آ کر گرا کہ اس نے نچلی منزل سے ہمارا آنے جانے کا راستہ بند کر دیا اس کے تنے اور شاخیں کاٹ کر راستہ صاف کیا گیا نچلی منزل والوں نے ہمیں اوپر سے صحیح سلامت نیچے قدم رکھنے پر مبارکباد دی اور تمام اہل خانہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

صحن کے ایک گوشے میں ایک سوکھا سا یوکلپٹس کا درخت لگا ہوا ہے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا کھڑا رہنا تو قطعاً ناممکن ہے ضرور زمین بوس ہو چکا ہوگا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ جوں کا توں کھڑا تھا اور سینہ تان کر اس نے ہوا اور بارش کی بھرپور مزاحمت کی۔ دراصل اس کی چوٹی پر ایک کوّے نے گھونسلا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا گھر آباد رکھنا مقصود تھا۔ اس لئے بڑے بڑے درخت تو جڑ سے اکھڑ گئے اور یہ کمزور سوکھا سا درخت اپنے کرایہ دار سمیت برقرار تھا اور میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ واقعی خداوند کریم کی ذاتِ اقدس ہر شے سے بلند و برتر ہے اور اس کے فیصلوں پر کسی کو اختیار نہیں اور کائنات کی ہر شے اس کی محکوم ہے۔ ایک اور خیال سے بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ شاید کوؤں کا بچ جانا بھی قدرت کا کوئی معنی خیز پیغام ہے جس طرح آج کل ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کا پیاسا ہے اور بھائی، بھائی کا گلا کاٹنے کے درپے ہے۔ ضرور قدرت آدم کے بیٹوں کے لئے کوؤں سے پھر کوئی کام لینا چاہتی ہے۔۔۔۔۔۔۔!!!؟؟

میرے ایک عزیز دوست جن کا نام نامی ملک محبوب ہے قریب کی فیکٹری میں ملازمت کرتے ہیں ان کا شعبہ درس و تدریس ہے نہایت مرنجاں مرنج قسم کے انسان ہیں ان کے

Scanned with CamScanner

رہائشی مکان کا چیف آرکیٹیکٹ بھی میں تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ ان کی ایک دیوار بھی Tornado کا صدمہ برداشت نہیں کر پائی تو میں اپنی خفت مٹانے وہاں پہنچ گیا وہ بھی اس آسمانی آفت کے چشم دید گواہوں میں سے تھے چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ اس رات جب نامانوس آوازوں کا شور سنا تو ہم نے بچوں کو بڑے کمرے میں جمع کرلیا اور آیت کریمہ کا ورد کرنے لگے خوف کے مارے برا حال تھا لگتا تھا کوئی چھت پر ہتھوڑے برسا رہا ہے۔ جب ہمارے گھر کو متاثر کر کے بگولا آگے بڑھا تو ہم ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس اکٹھے ہو گئے وہاں سے اس بگولے کو ریلوے اسٹیشن کی جانب بڑھتا ہوا پایا اس میں نیلگوں روشنیاں رقص کر رہی تھیں لگتا تھا جیسے آسمان سے کوئی سیارہ ٹوٹ کر گر رہا ہے اور قیامت ہے کہ بس آیا ہی چاہتی ہے۔

میں نے ان کی موزوں الفاظ میں ہمت افزائی کی اور اجازت لے کر گھر چلا آیا لیکن جس بات سے میرا دل زیادہ متاثر ہوا وہ ملک صاحب کے ننھے بیٹے طلآل کی ثابت قدمی تھی اس کے اعصاب میں نے باپ سے زیادہ مضبوط پائے اس کے لہجے میں ایک مہم جو کی واضح جھلک تھی۔ جبکہ ملک محبوب صاحب کسی لاشعوری خوف میں مبتلا تھے۔ ان کے دیدے ابھی تک پھٹے ہوئے تھے شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ہر دانشور آنے والے خطرات کو بروقت بھانپ لیتا ہے۔

اگلے روز مجھے ٹھیک طرح نیند نہ آسکی رات بھر کروٹیں بدلتا رہا ذہن کہیں سے کہیں بھٹک رہا تھا کل کے حادثے نے خیالات میں ایک انتشار سا برپا کر رکھا تھا۔ میں خیالات میں گم تھا کہ ٹیکسلا جو کبھی گندھارا تہذیب کا میٹروپولس تھا یہاں پر کئی تہذیبیں پھلی پھولیں نامور قومیں پروان چڑھیں اور سارے عالم میں اپنے علم و ہنر کا لوہا منوایا اور پھر

Scanned with CamScanner

مکافاتِ عمل کے ہاتھوں یہ سرخ گلابوں والا شہر اجڑتا اور تباہ ہوتا رہا۔ ٹیکسلا کا تاریخی عجائب گھر ان قوموں کے عروج وزوال پر گواہ ہے۔

سنا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے!! میں سوچ رہا تھا کہ کیا یہ شہر پھر اخلاق کی ان حدوں کو پھلانگ گیا ہے کہ جس کے لئے قانون قدرت کا حرکت میں آنا ضروری ہو جاتا ہے ۔۔۔کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے Tornado کی شکل میں ایک Legal Notice تھا.....؟ اور Death Warrant آنا ابھی باقی ہے۔

ان تمام سوالات کے جواب سے آنے والا وقت ہی پردہ اُٹھائے گا!!!!۔۔

Scanned with CamScanner

مسٹر جوا اور ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ

Scanned with CamScanner

میری اس سے پہلی ملاقات کی روداد بھی نہایت دلچسپ ہے۔

اس نے جب دروازے پر دست بستہ کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی تو مجھے اپنے دفتر کا مختصر سا رقبہ اور اس گرانڈیل نوجوان کا کسرتی ڈیل ڈول دیکھ کر وہ عربی کہاوت یاد آ گئی جب سردی کی شدت کی وجہ سے باہر کھڑا ہوا ایک اونٹ خیمے میں سر چھپانے کیلئے اپنے مالک سے مکالمہ کرتا ہے جبکہ خیمے میں صرف ایک فرد کے رہنے کی گنجائش ہے اونٹ پہلے اپنا سر اندر کرنے کی اجازت لیتا ہے پھر گردن خیمے کے اندر داخل کر لیتا ہے یوں رفتہ رفتہ اگلی ٹانگیں اور پھر پچھلی دونوں ٹانگیں بھی اندر آ جاتی ہیں حتیٰ کہ آخر میں دُم بچ رہتی ہے وہ بھی ریگستان کی سردی برداشت نہیں کر پاتی۔ اور اس طرح دوسری جانب سے مالک سرکتا سرکتا خیمے سے باہر نکل جاتا ہے۔

یہ مسٹر ''جو'' تھا اس کا پورا نام ''جوزف'' تھا میڈرڈ، سپین کا رہنے والا تھا۔ وُہ ''گندھارا تہذیب'' پر تحقیق کی غرض سے پاکستان آیا تھا ٹیکسلا کا انتخاب اس نے اس لئے کیا کہ یہ شہر

Scanned with CamScanner

گندھارا تہذیب کا اہم مرکز رہا تھا۔ چونکہ مجھے بھی تاریخ سے کُچھ شُد بُد ہے اور میری تحقیق کا محور بھی ٹیکسلا اور گندھارا ہی رہا ہے چنانچہ کسی نے مسٹر جوزف کو میرا پتا سمجھا دیا اور وہ سیدھا میرے پاس چلا آیا۔ خوب گپ شپ رہی اور ہم جلد ہی ایک دوسرے سے گھُل مل گئے میں نے جب اس پر پہلی نظر پڑنے کے اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ اونٹ اور اس کے مالک کی پرانی کہاوت سنائی تو وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔

گندھارا تہذیب کا تانا بانا چھٹی صدی قبلِ مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے سائرس نے اس علاقے کو فتح کر کے اپنے راج میں شامل کیا اس وقت یہاں پشکلا شکتی کی حکومت تھی بعد ازاں یہ خطہ داراء ایران کی اخمینی حکومت کے زیرِ اثر چلا گیا اور با قاعدہ ایک صوبے کی شکل اختیار کر لی اور ٹیکسلا کی حیثیت بدستور گندھارا کے دارالخلافہ کی رہی۔ جب 326 ق م میں سکندرِ اعظم یہاں آیا اس وقت راجا امبھی کی حکومت تھی۔ یونانیوں نے یہاں ''فلپ ابنِ مچاٹس'' کے زیرِ نگرانی اپنا اقتدار قائم کیا۔ یہ خطہ موریہ سلطنت کے دست نگر بھی رہا یہاں اشوک، کنشک اور منیندر جیسے عظیم حکمرانوں کی عملداری رہی۔

قدیم زمانے میں ٹیکسلا میں عظیم الشان درس گاہیں تھیں جن میں وسطِ ایشیاء، مشرقِ بعید اور ایشیائے کوچک وغیرہ سے ہزاروں طلباء علم کی پیاس بجھانے آتے تھے پانینی جیسا مشہور گرائمر دان جس نے سنسکرت کی صرف و نحو ترتیب دی اسی درس گاہ میں پڑھاتا تھا۔ "اپالونیس آف ٹیانا" نے بھی ٹیکسلا کی شہرت سن کر یہاں کا تفصیلی دورہ کیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے عیسائیت کے پرچار کے لئے سینٹ تھامس نامی اپنا ایک حواری ٹیکسلا کے مقامی حکمران گونڈوفریز کے دربار میں بھیجا تھا۔ ہندو فلسفے کی مشہور کتاب "ارتھ شاستر" کا

Scanned with CamScanner

بانی کوتلیہ چانکیہ بھی یہیں پیدا ہوا۔ بدھ ثانی ''پدماسم باوا'' جسے تبت میں بدھ ازم کا بانی سمجھا جاتا ہے اس نے بھی یہیں آنکھ کھولی تھی۔ یہاں سے بدھ مت منگولیا، چین، تبت، کوریا اور جاپان وغیرہ کے ممالک تک پھیلا۔

ٹیکسلا کی حیثیت ایک اہم ثقافتی مرکز کی تھی یہاں تین اطراف سے بڑے تجارتی راستے آکر ملتے تھے ایک راستہ وسطی ایشیاء سے آتا تھا دوسرا راستہ ہندوستان کو ملاتا تھا اسی وجہ سے تمام فاتحین یہاں سے ہی گزرے۔ تیسرا راستہ افغانستان، ایران، عراق اور شام وغیرہ سے ہوتا ہوا بحیرہ روم کی جانب جا نکلتا تھا اس طرح شاہراہِ ریشم اور دیگر اہم راستوں کے باہم اتصال سے ٹیکسلا نے قدیم دنیا کے عظیم میٹروپولس کی شکل اختیار کر لی تھی۔

مسٹر جوزف ایسے ہی تاریخی حقائق جاننے کیلئے یہاں آیا تھا کہ جن کی وجہ سے ٹیکسلا نے گندھارا تہذیب کا مرکزِ ثقل ہونے کا درجہ حاصل کیا۔ میری تحقیق بھی اس کے لئے خاصی مدد و معاون ثابت ہوئی۔ ٹیکسلا کے تمام قدیم آثار یونیسکو کی فہرست میں شامل ہیں۔ انہیں قریب سے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور اس عظیم ورثے کی تعریف کی۔

ٹیکسلا کے اطراف بدھ اسٹوپوں اور خانقاہوں سے بھرے ہوئے ہیں یہاں خزانے تلاش کرنے والے متعدد خفیہ گروہ حکومتی اہل کاروں کی نظر بچا کر کھدائیاں کرتے ہیں ان کے پیچھے بین الاقوامی سمگلروں کا بُنا ہوا ایک مضبوط جال ہے افغانستان، ایران اور پاکستان سے جو قیمتی اشیاء ان کے ہتھے چڑھتی ہیں وہ دبئی کے راستے بڑی بڑی منڈیوں میں منتقل ہو جاتی ہیں جہاں ان کے اونچے دام چُکائے جاتے ہیں۔

میں نے جوزف کو مختلف فنکاروں سے ملوایا۔ وہ مقامی سنگ تراشوں سے بھی متعارف ہوا اور ان کی ہنر مندی کے اعلیٰ نمونے اسے بہت پسند آئے یہ لوگ پتھر کے اصلی مجسموں کی

Scanned with CamScanner

ہو بہو نقل بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جوزف نے بھی ان سے مختلف نمونے حاصل کیے
میں نے چند دنوں میں اُسے ٹیکسلا اور اس کے اردگرد پھیلے تقریباً تمام آثارِ قدیمہ دکھا ڈالے
ہم لوگ علی الصبح سیر کو نکلتے اور اکثر اوقات وہیں شام ہو جاتی۔ اللہ جانے وہ کس مٹی کا بنا ہوا
تھا کہ اتنا چلنے کے باوجود اس کے چہرے سے تھکاوٹ کے آثار کبھی ظاہر نہ ہوتے۔ ایک
روز ہم نے ٹیکسلا کے مضافاتی پہاڑی سلسلہ جو کہ بَل کے نام سے مشہور ہے، کی سیر کا
پروگرام ترتیب دیا اور طلوعِ آفتاب سے پہلے سفر پر نکل کھڑے ہوئے یہ ایک خوبصورت
وادی ہے جسے چاروں طرف سے اونچے اونچے سرسبز پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے یہاں سورج
محض چند گھنٹوں کیلئے ہی نظر آتا ہے حدِ نگاہ تک جنگلی زیتون اُگا ہوا ہے انجیر کے درخت
بھی ہیں، پہاڑوں پر پیپل اور بکائن بھی کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ علاقہ بُلبلوں کی
وادی کہلاتا ہے یہاں مختلف اقسام کی بُلبل وافر تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان کے چہچہانے
سے ایک دلفریب سماں بندھا رہتا ہے۔ خوشنما اور نازک پروں والی تتلیاں بھی چاروں
طرف اُڑتی نظر آتی ہیں چمکتی دھوپ میں ان کے پروں کی چکاچوند سے فضا رنگین ہو جاتی
ہے یوں لگتا ہے جیسے پھولوں سے لدی ہوئی ٹہنیوں سے پتیاں جھڑ جھڑ کر ہوا میں اُڑتی پھرتی
ہیں۔ پہاڑوں کے بیچ میں نشیبی سطح پر قدرتی چشموں سے بہہ کر آنے والے پانی کی ایک
گزرگاہ ہے کبھی پانی ندی کی بیرونی سطح پر بہتا ہے اور کہیں زیرِ زمین چھپ جاتا ہے اگر کسی
چھڑی سے ندی کی ساکت تہہ پر ضرب لگائی جائے تو سطح کے نیچے پانی کے بہاؤ کا احساس
ہوتا ہے کچھ آگے جا کر یہ ندی دوبارہ پانی سے بھر جاتی ہے مگر موڑ مڑتے ہی پھر پتھروں
میں غائب ہو جاتی ہے اس طرح آنکھ مچولی کھیلتا ہوا پانی آبادی کے قریب پہنچ کر ایک دم سطح
زمین پر نمودار ہوتا ہے اور بالآخر ایک ندی کی صورت اختیار کر کے ٹیکسلا کی جانب رواں ہو

Scanned with CamScanner

جاتا ہے۔

یہاں آکر مسٹر جوزف خوب لطف اندوز ہوا کہنے لگا کہ یقیناً سوئٹزرلینڈ کی خوبصورتی ان نظاروں کے سامنے ہیچ ہے۔اس نے کچھ زمین خرید کر وہاں رہنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

ان دنوں پورا ملک خشک سالی کی لپیٹ میں تھا کئی سالوں سے بارش نہیں ہوئی تھی اور زیرِ زمین پانی کی سطح بھی خطرناک حد تک کم ہوگئی تھی۔گرمی کے مارے برا حال تھا فصلوں کی کاشت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔کسان سارا دن منہ اُٹھائے آسمان کی وسعتوں میں بدلیاں تلاش کرتے رہتے۔گرمی اور حبس کے مارے بے چارے پرندے بھی اپنی چونچیں کھولے رکھتے اور ان کے سینے دھونکنی کی مانند تیز تیز پھیلتے اور سکڑتے دکھائی دیتے۔

ایک روز تمام گھر والوں نے پروگرام بنایا کہ شام مسٹر جو کے ساتھ باہر منائی جائے گی چنانچہ ٹیکسلا کے تاریخی میوزیم کی پچھلی جانب واقع ایک ڈاک بنگلے کا انتخاب کیا گیا جو غیر آباد ہونے کی وجہ سے خاصا پُراسرار لگتا تھا۔مہدی کو بھی گھر سے بلوالیا گیا سلمیٰ بھی اپنے بیٹے سلمان کے ساتھ آگئی ابراہیم اور نور تو ویسے ہی پیش پیش تھے میں نے اور ناہید نے ضرورت کا ساز وسامان سمیٹنا شروع کیا اس طرح یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔

راہ چلتے چلتے مہدی کہنے لگا کہ آج رات اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے جس میں ایک بہت بڑا درخت اس پر آکر گرتا ہے اور وہ بھاگ کر بمشکل اپنی جان بچا پاتا ہے پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو خود کو پسینے میں شرابور دیکھتا ہے اس خواب کا تاثر اس کے ذہن پر بدستور قائم تھا۔اور وہ کچھ خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

جوزف کہنے لگا کہ خوابوں میں ماضی کے بیتے ہوئے قصّے ہوتے ہیں یا پھر مستقبل قریب میں پیش آنے والے واقعات کی نشاندہی کی جاتی ہے تا کہ احتیاط برتتے ہوئے بروقت اور مناسب حفاظتی تدبیر کر لی جائے اس موضوع کے حوالے سے اس نے چند ایسے لوگوں کے خواب بھی سنائے جن کا سلسلہ مستقبل سے جڑا تھا اور یہ واقعات بعد میں حقیقت پر منتج ہوئے۔

یوتھ ہوسٹل کا موڑ مڑتے ہی تیز جھکڑ نے آلیا تند و تیز ہوا نے ایک دم بگولے (Cyclone) کی شکل اختیار کر لی اور اس کا دوسرا سرا بلند ہوتے ہوتے آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ جوزف نے تقریباً چیختے ہوئے سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ تمام لوگ بھاگتے ہوئے دیوار کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئے۔ بچوں کو ماؤں نے یوں دبوچ لیا جیسے مرغی خطرے کے وقت ننھے منے چوزوں کو اپنے پروں تلے دبکا لیتی ہے۔

مسٹر جوزف کہنے لگا کہ اگر سائیکلون کا چکر گھڑی کی سوئیوں کی چال کی طرح (Clockwise) ہو تو اس میں نیک روحوں کا ہاتھ ہوتا ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں مگر مخالف سمت میں گھومتا ہوا بگولا انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بدروحوں کی کارستانی ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے بچنے میں ہی عافیت ہے۔ اور یہ گرد باد جس سے آج واسطہ پڑا ہے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس کی زد میں آنے سے محفوظ رہے۔

یوں باتوں باتوں میں ہم لوگ پکنک سپاٹ تک پہنچ گئے ڈاک بنگلہ کے ساتھ ملحقہ وسیع احاطے کے عین مرکز میں سرو کے پانچ قدیم درخت ایک دائرے کی صورت میں قریب قریب ایستادہ تھے ان درختوں کے بیچ چولہے کی جگہ منتخب کی گئی اور آگ جلا کر ایک بڑی سی

Scanned with CamScanner

کڑاہی میں گوشت بھوننا شروع کر دیا گیا مرچ مسالوں کی اشتہا انگیز خوشبو فضا میں چاروں طرف پھیلنے لگی۔

مجھے جلتی ہوئی آگ کے سرخ شعلوں کا رقص بہت پسند ہے۔اس کا پسِ منظر کچھ بھی ہو مگر ایک بات ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں تحت الشعور میں اس سے کوئی تعلق ضرور جڑا ہوا ہے۔ خاصی تحقیق کے بعد میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انسان کی شخصیت پر نام کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً میرے نام کا مطلب ہے ''اونٹوں کا مالک''۔ یہ ایران کے بالائی صوبے ''آذربائی جان'' میں پیدا ہونے والے پیغمبر زرتشتؑ (Zoroaster) کا عربی نام ہے جو ریگستانِ عرب میں پہنچتے پہنچتے ''مالک اشتر'' ہو گیا چونکہ ''زرتشت'' برفانی خطے سے تعلق رکھتے تھے جو ''کوہِ سلیمان'' کے آس پاس واقع تھا۔سردی سے بچنے کیلئے ان کے پیروکار آگ کے الاؤ روشن کر کے عبادت کرتے تھے بعد ازاں یہی آگ ان کے اعتقادات کا حصّہ بن کر مذہب میں در آئی۔

آگ کی پاکیزگی وہ تاریخی واقعہ بھی یاد دلاتی ہے جب موسیٰ علیہِ السّلام کے اہلِ خانہ کو سردی محسوس ہوئی انہوں نے دور کہیں آگ جلتی دیکھی حضرت موسیٰؑ جب قریب گئے تو روشن جھاڑی میں سے خدا ان سے مخاطب ہوا۔ ''پاک ہے وہ ذات جو آگ میں ہے اور آگ کے ماحول میں ہے''۔

یہ جھاڑی Flamming bush کہلاتی ہے اس کی پھلیاں جب پک کر تیار ہو جاتی ہیں تو ان میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے ایسی جھاڑیاں اب بھی Mount Sinai میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ جلتی ہوئی آگ دیکھ کر میری روح کو بھی تسکین ملتی ہے میری اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر پوری فیملی ہر ویک اینڈ باہر گزار کر

Scanned with CamScanner

Camp-fire کا مزہ لیتی ہے اور مجھ سے ان کا ساتھ دینے کے سوا کچھ بن نہیں پڑتا۔

اس روز بھی جوزف کے اعزاز میں دی جانے والی اوپن ائیر دعوت میں خوب ہلا گلا تھا میں بھی بڑھ چڑھ کر جلتی آگ میں لکڑیاں جھونک رہا تھا۔ جوزف اپنا سفاری ڈھول گھٹنوں کے درمیان رکھ کر دونوں ہاتھوں سے نہایت مستعدی سے بجا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اونچے سُروں میں گا رہا تھا دیگر تمام شرکاء بشمول بچے اسکی آواز میں اپنی اپنی آوازیں شامل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

Wind of Heaven

Come for ever

To the Taxila.....la.....la..

اور ٹیکسلا کی تکرار وہ نہایت دلچسپ انداز میں کر رہا تھا۔

پھر ایک دم خاموشی چھا گئی تھوڑی دیر بعد جوزف کے چہرے پر تفکرات کے آثار نمودار ہوئے اور وہ مجھے ایک جانب لے جا کر کہنے لگا:۔

''جس جگہ یہ گوشت بھونا جا رہا ہے وہاں اردگرد ایک دائرے کی ترتیب میں پانچ قد آور درخت اُگے ہوئے ہیں اور ان کے قریب ہی میں نے پانچ تتلیوں کو بھی اُڑتے ہوئے دیکھا ہے میرے نزدیک یہ تمام نشانیاں کسی انجانے خطرے کی نشاندہی کرتی ہیں کیونکہ بدھ مت میں پانچ کے ہندسے کو خاص اہمیت حاصل ہے اور آگ، ہوا، مٹی، پانی اور فضاء وہ پانچ عناصر ہیں جنہیں بنیادی اہمیت کا حامل تصوّر کیا جاتا ہے اور کائنات انہی بنیادی عناصر کا مجموعہ خیال کی جاتی ہے۔ ان اجزاء میں پائی جانے والی خصوصیات کی بناء پر انسان اور

Scanned with CamScanner

دیگر مخلوقات کی عادات واطوار ترتیب پاتی ہیں اس طرح ان عناصر کی کمی بیشی سے محبت اور نفرت کا اتار چڑھاؤ متوازی طاقتوں کے روپ میں سامنے آتا ہے جس کی وجہ سے نقصِ امن کا خطرہ ہر وقت سروں پر منڈلاتا رہتا ہے۔

چنانچہ یوں کھلی فضا میں سرِ عام گوشت بھوننا میرے نزدیک خطرے سے خالی نہیں ہے بدروحوں کو کھانے کی خوشبو بہت لبھاتی ہے دیکھو! ہوا بھی چلنا شروع ہوگئی ہے۔ زمین پر آگ روشن ہے اگر اشتہا انگیز خوشبو کے احساس سے کوئی بدروح ادھر آنکلی تو سارا معاملہ چوپٹ ہوجائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔"

میں نے اس کی بات مذاق میں اُڑاتے ہوئے کہا کہ جوزف فکر نہ کرو۔۔۔۔۔۔ میرے پاس بھی تیر بہ ہدف نسخہ ہے۔ میں خود نمٹ لوں گا تم بس کھانے کی تیاری کرو۔

مگر اس کی پریشانی تھی کہ بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔

دفعتاً ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہوگئی۔ بادل اُمڈ آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہوگئی۔ کئی سالوں کے بعد یہ پہلی بارش تھی ہر طرف خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی بچے پانی میں اٹھکیلیاں کرنے لگے ہم لوگ بھی بارش میں نہاتے ہوئے کام میں جُتے رہے۔ مہدی اور ناہید کھانا تیار کررہے تھے۔ اچانک مہدی نے ایک زوردار چیخ ماری وہ چھلانگ لگا کر ایک طرف ہوگیا۔۔۔۔ ناہید کو بھی اس نے پرے دھکیل دیا۔ سرو کا ایک لمبا سا درخت زوردار دھماکے کے ساتھ عین ان کے بیچ میں آکر گرا اور وہ چند ثانیوں کے وقفے سے بچ نکلے اگر یہ وزنی درخت ان کے اوپر گرتا تو یقیناً ان کا زندہ بچنا محال تھا سرو سیدھا کڑاہی پر گرا اور وہ الٹ گئی پیچھے سے پانی کا تیز ریلا آیا اور سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے گیا میں نے جوزف کی طرف دیکھا۔۔۔۔ وہ آسمان کی جانب منہ اُٹھائے نہ جانے کیا بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی

Scanned with CamScanner

آنکھیں انجانے خوف سے پھٹی ہوئی تھیں سب لوگ بھاگم بھاگ ملحقہ لکڑی کے کیبن میں گھس گئے ایک دم تاریکی چھا گئی بجلی غائب تھی جوزف نے اپنا تھیلا کھولا اور ٹارچ نکال کر روشن کر دی۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اولے بھی گرنا شروع ہو گئے تھے لگتا تھا کہ تیز ہوائیں چوبی کیبن کو اُڑا لے جائیں گی سب گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔۔۔۔۔کوئی گھنٹہ بھر کے بعد بارش تھمی اور ہم گرتے پڑتے گھر لوٹ آئے۔ جوزف اگلے ہی روز اپنے وطن روانہ ہو گیا۔

اس واقعہ کو کافی عرصہ بیت چُکا ہے میں اب بھی کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ مہدی جونیکیوں میں سبقت لے جانے والا شخص ہے کیا اسے آنے والے خطرے سے خواب کے ذریعے بروقت آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ درخت کی زد میں آنے سے محفوظ رہا!!!!۔۔۔۔اور گوشت کی قربانی میں وہ کون سا راز پوشیدہ ہے؟ جو مافوق الفطرت مخلوق کی مداخلت کا باعث بنتا ہے۔ کیا یہ دنیا واقعی عجیب وغریب اور ناقابلِ یقین واقعات کا گورکھ دھندا ہے کہ جسے سمجھنے کے لئے ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے؟؟؟؟.....

Scanned with CamScanner

ادب زندگی کی حقیقت کو اپنے تجربے سے گزار کر تخلیق کی بھٹی میں تپانے اور اسے جمالیاتی پیرائے میں بیان کرنے کا نام ہے۔ تاریخ اور ادب کے اپنے اپنے دائرے ہیں اور مفکرین نے ان دونوں کی خصوصیات کو ممیّز کرنے کے سلسلے میں کئی نکات اٹھائے ہیں۔ مگر کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ علوم و فنون ایک دوسرے میں اپنی سرحدیں گم کرتے نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ زندگی بھی ایک کُل ہے اور اس کا تجربہ بھی۔ مالک اشتر نے تاریخ اور فکشن کو ایک دوسرے میں گھلا ملا کر ان دونوں کا ذائقہ نیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے افسانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر ان کا تاریخی شعور گہرا ہے اسی قدر انھیں افسانے کے فن پر بھی دسترس حاصل ہے۔ اس کے نتیجے میں جو ادب پارے وجود میں آئے ہیں ان میں نہ تو تاریخی صداقت پر کوئی دھبہ پڑا ہے اور نہ افسانے کا فنی پیکر مجروح ہوا ہے۔ ٹیکسلا ہماری تہذیب کا وہ نشان ہے جس کا تعلق ماضی میں پیوست ہماری جڑوں سے ہے۔ یوں اپنی تہذیبی شناخت کے حوالے سے ان افسانوں کا مطالعہ قاری کے لیے خاصے کی چیز ہے۔

ڈاکٹر رشید امجد

Scanned with CamScanner